احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اگست 2020ء

سیدنا امام حسینؑ کی اخلاقی عظمت

نیکیوں اور گناہوں کے حوالے سے لوگوں کے احوال

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب

سیدنا عمر فاروقؓ: علم و عرفاں اور شجاعت کے پیکر

محبوب اشیاء کی قربانی معرفت و قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ

14th August 2020

قائداعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کا تصور پاکستان

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 34 / شمارہ: 7 — ذوالحج / محرم الحرام ۱۴۴۱ھ — اگست 2020ء

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد رفیق نجم

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نصر اللہ معینی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، علامہ شہزاد مجددی، محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

حسن ترتیب

اداریہ: قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کا تصورِ پاکستان	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: نیکیوں اور گناہوں کے حوالے سے لوگوں کے احوال	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	5
دورۂ علوم الحدیث (نشست دوم، حصہ دوم)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	13
الفقہ: وباؤں اور آفات سے نجات کا نسخہ کیمیا	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	18
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ علم و عرفاں اور شجاعت کے پیکر	ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی	21
محبوب اشیاء کی قربانی معرفت و قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	25
سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اخلاقی عظمت	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	32
”اسیران انقلاب میرے کارکنان نہیں شہزادگان ہیں“	خصوصی رپورٹ	39
اسیرانِ انقلاب تصویرِ اسلاف: ایک تاریخ، ایک حقیقت	احمد وحید قادری	43

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 35 روپے
سالانہ خریداری: 350 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

آسمانوں کا خدائے مہرباں بھی ہے وہی
ہر زماں، ہر ہر جہاں کا حکمراں بھی ہے وہی

وہ جو ذہنوں میں جلاتا ہے تجسس کے چراغ
ان چراغوں کا حقیقی پاسباں بھی ہے وہی

وہ جو دیتا ہے دعاؤں کو اثر کا ضابطہ
ہر گھڑی میرے پسِ وہم و گماں بھی وہی

شعلۂ جاں کا محافظ ہے فقط ربِّ قدیر
دھوپ میں جلتے ہوؤں کا سائباں بھی ہے وہی

ایک اک ذرہ خدا کے حکم کا پابند ہے
مالکِ ارض و سماء کون و مکاں بھی ہے وہی

اپنی رحمت کی ردائیں بانٹتا رہتا ہے وہ
اپنے بندوں کے لئے جائے اماں بھی ہے وہی

صرف طاقت کا ہے سرچشمہ خدائے ذوالجلال
ہر جہاں میں قوتِ ہر ناتواں بھی ہے وہی

راستہ سیدھا دکھاتا ہے وہ ہر مخلوق کو
شاہدِ عادل، خدائے مرسلاں بھی ہے وہی

پتھروں کو گفتگو کا فن بھی سکھلاتا ہے وہ
قادرِ مطلق، خدائے انس و جاں بھی ہے وہی

خوشۂ گندم سے بھرتا ہے جو دامانِ ریاضؔ
اپنی ہر مخلوق کا روزی رساں بھی ہے وہی

﴿ریاض حسین چودھریؔ﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

میری سانسوں میں ہے وہ کربِ رضا کا لمحہ
مجھ پہ اترا تھا جو احساسِ خطا کا لمحہ

میرا بیمار وطن طالبِ رحمت ہے حضورؐ
آپؐ کی نگہِ کرم، ایک شفا کا لمحہ

سرِ مژگاں جو تھا اک سیلِ چراغاں شب بھر
کہکشاں ہو گیا توفیقِ ثنا کا لمحہ

زمزمِ نعت کی خوشبو سے شرابور رہا
جو مدینے میں ملا جود و سخا کا لمحہ

ایک لمحہ ہی تو جینا ہے مجھے موت تلک
اُن کے قدموں میں کھڑے، اُن کی ثنا کا لمحہ

مجھے تحقیر میں تکریم دکھانے والا
چُھو کے گذرا مجھے تردیدِ اَنا کا لمحہ

جھلملاتی ہے نگاہوں میں ثنا کی شبنم
چشمِ نمناک میں قلزم ہے دعا کا لمحہ

رقصِ بیخود میں مچلتی ہے تمنا میری
جب بھی آتا ہے مدینے کی ہوا کا لمحہ

وصلِ حق، عفو و عطا، اُن کی شفاعت کی گھڑی
اور اک ساعتِ دیدار، قضا کا لمحہ

جب تصور درِ اقدس پہ مچلتا ہے عزیزؔ
مجھکو مل جاتا ہے توفیقِ ثنا کا لمحہ

میں اُسی لمحۂ تسکین میں زندہ ہوں عزیزؔ
التفاتِ شہِ لولاک لما کا لمحہ

﴿شیخ عبدالعزیز دباغ﴾

اداریہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ اور حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کا تصور پاکستان

پاکستان لیلۃ القدر کی رات معرض وجود میں آیا اور یہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز و محور ہے۔قیامِ پاکستان سے قبل مسلمانوں کو ہر اعتبار سے تعصب اور امتیازی رویوں کا سامنا تھا۔مسلمان شعائرِ دین کی بجا آوری کے حوالے سے گھٹن اور مزاحمتوں کا شکار تھے اس کے علاوہ سیاسی،سماجی اور معاشی اعتبار سے بھی انہیں تیسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا تھا۔ پاکستان کا قیام کروڑوں اسلامیانِ برصغیر کی ناگزیر ضرورت تھا اور جب اس کی قیادت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ہاتھ میں آئی تو تشکیلِ پاکستان کے مراحل تیزی سے طے ہوتے چلے گئے اور پورا برصغیر پاکستان کا مطلب کیا لا الا اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلامیانِ برصغیر اپنے جملہ مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں تلاش کرتے تھے اور انکا یہ پختہ ایمان اور عقیدہ تھا کہ الگ وطن حاصل کئے بغیر اسلام کے حقیقی فیوض و برکات سے مستفید نہیں ہوا جا سکتا۔تحریکِ پاکستان میں اسلام کا رنگ پوری تحریک پر غالب تھا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنے بیانات اور خطابات میں ہمیشہ کہتے رہے کہ پاکستان اسلام کی تجربہ گاہ ہوگا اور اس تجربہ گاہ میں تمام سیاسی،سماجی،معاشی،معاشرتی احکامات کو عملی شکل دی جائے گی۔ان کے ان افکار کو برصغیر کے علماء و مشائخ کی بھرپور تائید حاصل تھی۔ بانی پاکستان اپنے خطابات اور بیانات میں مختلف امور کی انجام دہی کے ضمن میں قرآن و سنت کے حوالہ جات کا بکثرت استعمال کرتے رہے اور ان کا تصورِ پاکستان ایک اسلامی،فلاحی اور جمہوری ریاست کا تھا،ایک ایسی ریاست جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہو۔قائداعظمؒ کے اسی ماڈریٹ ویژن کی وجہ سے اعتدال پسند علماو مشائخ کی ایک بڑی تعداد انکی گرویدہ تھی اور وہ ان کی قیادت میں جمع ہوگئی اور علمائے کرام نے بانی پاکستان کے شانہ بشانہ اسلامیانِ برصغیر کو اسلامی فکر اور آئیڈیالوجی سے ہم آہنگ رکھا۔وہ قوتیں جو فرقہ واریت اور تشدد کے ذریعے تحریک پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتی تھیں، وہ اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکیں۔دوسرے لفظوں میں اگر برصغیر کے جید علما و مشائخ بانی پاکستان کے ہمرکاب نہ ہوتے تو آسانی کے ساتھ قیام پاکستان کی منزل حاصل نہ ہو پاتی۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ بانی پاکستان اسلام کے حوالے سے گہرا مطالعہ رکھتے تھے اور وہ ہر پالیسی کی فکری رہنمائی قرآن و سنت سے لیتے تھے وہ فرماتے تھے کہ ’’ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کیلئے نہیں کیا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے کہ جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں‘‘ بانی پاکستان نے فرمایا کہ’’ مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن مجید میں موجود ہے، ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی اور پروگرام پیش نہیں کر سکتی‘‘ ایک اور موقع پر بانی پاکستان نے فرمایا کہ’’ وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں ،وہ کونسی چٹان ہے جس پر انکی ملت کی عمارت استوار ہے،وہ کونسا لنگر ہے جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ وہ چٹان،وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے‘‘۔بانی پاکستان نے 1948ء میں ایک موقع پر فرمایا کہ’’ مجھے اکثر یہ پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا؟ پاکستان کے طرزِ حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوں؟ یہ کام پاکستان میں رہنے والوں کا ہے اور میرے خیال میں مسلمانوں کے طرزِ حکومت کا آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے فیصلہ کر دیا تھا‘‘۔بانی پاکستان نے گاندھی کے نام لکھے گئے خط میں فرمایا کہ ’’قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے اس میں مذہبی اور مجلسی،دیوانی،فوجداری،عسکری اور تعزیری،معاشی اور معاشرتی الغرض سب شعبوں کے احکام موجود ہیں‘‘۔ بانی پاکستان کے تصورِ پاکستان کو سمجھنے کیلئے ان کے درج ذیل اقوال کو پڑھنا اور سمجھنا ہوگا۔25 جنوری 1948 کو بار ایسوسی ایشن کی طرف

سے یوم میلاد النبی ﷺ کے موقع پر آپ نے کہا کہ ''اسلام اور اس کے نظریے نے جمہوریت کا درس دیا۔اسلام نے نوعِ انسانی کو مساوات،عدل اور تہذیب و شائستگی سکھائی'' اسی موقع پر بانی پاکستان نے کہا کہ ''صوبائیت پرستی ایک مہلک مرض اور لعنت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان صوبائی تعصب کے اس مہلک مرض سے نجات حاصل کر لیں۔کوئی قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ متحد ہو کر کندھے سے کندھا ملا کر ایک فارمیشن میں مارچ نہ کرے'' پاکستان کے پہلے آئین کے خدوخال پر گائیڈ لائن مہیا کرتے ہوئے بانی پاکستان نے فرمایا'' نبی کریم ﷺ ایک بہت بڑے معلم تھے وہ ایک عظیم قانون دینے والے تھے، وہ ایک عظیم سیاسی مدبر تھے، وہ ایک عظیم سلطان تھے جنہوں نے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کی۔پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی اس زمانے کے عام معیار کے مطابق بالکل سادہ تھی، انہوں نے ایک تاجر سے لے کر ایک حکمران تک جس کام کا بھی آغاز کیا اس میں کامیاب رہے۔نبی کریم ﷺ ایک عظیم ترین ہستی تھے جنہوں نے 13 سو سال قبل جمہوریت کی بنیاد رکھی''۔اللہ رب العزت کا کروڑ ہا شکر ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران اسلامیانِ برصغیر کو ایک ایسی قیادت میسر آئی جس کا قرآن و سنت اور الوہی ہدایات و فرامین پر کامل یقین تھا۔

بانی پاکستان اسلامائزیشن کے حوالے سے جو افکار رکھتے تھے اس کی فکری بنیادیں حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے مہیا کیں اور خطبہ الہ آباد اس کی ایک بہترین دلیل ہے۔حکیم الامت نے فرمایا کہ اسلامی قوانین کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کے نفاذ سے کم از کم لوگوں کی روٹی کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال کے تصور پاکستان کے مطابق مسلمانوں کے معاشی مسائل خاص طور پر غربت کا علاج نفاذِ شریعت میں مضمر تھا۔ اگر علامہ اقبال کی تحریریں اور قائد اعظمؒ کی تقریریں بغور پڑھیں تو انکے تصور پاکستان کی بنیاد اسلامی اور جمہوری اصولوں پر استوار نظر آتی ہے۔ دونوں قائدین اسلامی رواداری،اقلیتوں کے حقوق کی مکمل پاسداری،انسانی برابری،سماجی مساوات اور معاشی عدل پر زور دیتے ہیں۔

تحریک پاکستان کی قیادت کے نظریات و افکار کے سرسری جائزے کے بعد انہی فکری خطوط پر اگر کوئی شخصیت ہمیں ملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے نظر آتی ہے کہ تو وہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ذات ہے جنہوں نے ایک طرف علی گڑھ یونیورسٹی کی طرز پر پاکستان بھر میں تعلیمی نیٹ ورک قائم کیا تو دوسری طرف اسلام کے معاشی نظام پر بیش قدر کتب تحریر کیں اور ثابت کیا کہ اسلام محض افکار و نظریات یا فلسفہ نہیں ہے بلکہ ایک قابلِ عمل ضابطہ حیات ہے۔حکیم الامت کی نفاذ شریعت کی فلاسفی کا شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے مصطفوی انقلاب کی شکل میں احیاء کیا۔تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اکتوبر 2014ء میں مینار پاکستان کے سبزہ زار میں لاکھوں فرزندان توحید و رسالت کے روبرو اعلان کیا تھا کہ پاکستان کو جناح کا پاکستان بنائیں گے اور یہ کہ علی گڑھ یونیورسٹی کی طرز پر پاکستان میں 100 یونیورسٹیاں بنائیں گے۔ کہنے کو تو یہ اعلانات ہیں مگر ان کے اندر اسلام اور پاکستان کی آئیڈیالوجی پنہاں ہے۔جس طرح تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل سکالرز نے فیصلہ کن کردار ادا کیا، اسی طرح تعمیر پاکستان کیلئے بھی ایسے ہی تعلیمی اداروں اور تعلیم یافتہ نسل کی ضرورت ہے جو دین اور دنیا کے علوم پر دسترس رکھتی ہو۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری قائد و اقبالؒ کے ویژن کے مطابق اس کا آغاز کر چکے ہیں۔ منہاج یونیورسٹی لاہور اور کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز کی طرز پر ایک عالیشان تعلیمی ادارہ قائم کیا گیا ہے جہاں سے ہر سال سیکڑوں طلبہ و طالبات جدید عصری و شرعی علوم حاصل کر کے عملی زندگی میں کوشاں ہیں۔ پاکستان ایک مقصد کے تحت حاصل کیا گیا مگر افسوس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسکی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھوں میں آئی جو اسلام اور پاکستان کی آئیڈیالوجی سے لاعلم تھے اور اقتدار حاصل کرنا اور اپنے خاندانی اقتدار کو مستحکم رکھنا انکا اول و آخر محور و مقصود تھا۔ جب تک پاکستان کے تعلیمی اداروں اور تعلیمی نصاب کو اسلام اور پاکستان کی آئیڈیالوجی سے ہم آہنگ نہیں کیا جاتا، اس وقت تک تحریک پاکستان کے مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ (چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

نیکیوں اور گناہوں کے حوالے سے لوگوں کے اَحوال

مومنین کا ایک طبقہ حساب کتاب کے نتیجے میں عذاب بھگتنے کے بعد جنت کا حق دار ٹھہرے گا

مومنین کا ایک طبقہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ۔۔۔۔معاون: محبوب حسین

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ. فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ. وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ. فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ. (القارعة، ۱۰۱: ۶۔۹)

’’پس وہ شخص کہ جس (کے اعمال) کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ خوشگوار عیش و مسرت میں ہوگا اور جس شخص کے (اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ (جہنم کا گڑھا) ہوگا‘‘۔

بروزِ قیامت کفار اور مشرکین کا طبقہ ایمان نہ لانے کے سبب جہنم کا ایندھن بنے گا مگر مومنین اور زندگی میں نیک اعمال کرنے والوں کے نجات اور عذاب کے حوالے سے درج ذیل طبقات ہوں گے:

۱۔ پہلا طبقہ: بعد العذاب مستحقِ جنت

بروزِ قیامت مومنین کا ایک طبقہ وہ ہوگا جو حساب و کتاب کے نتیجے میں اپنے حصے کا عذاب بھگتنے کے بعد جنت کے حقدار قرار پائے گا۔ یہ طبقہ اگرچہ ایمان لایا اور نیک اعمال کیے مگر اس کے ساتھ ساتھ گناہ، بدکاریاں، معصیت کاری، نافرمانیاں اور مظالم بھی کیے۔ لہٰذا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے کئے گئے گناہوں کی سزا بھگتیں۔ یہ طبقہ چونکہ کلمہ گو اور اہلِ ایمان ہیں اس لیے اپنے حصے کا عذاب بھگت لینے کے بعد بالآخر اُن کی بخشش ہوگی اور یہ بعد العذاب جنت میں جائیں گے۔

۲۔ دوسرا طبقہ: بعد الحساب مستحقِ جنت

مومنین کا دوسرا طبقہ وہ ہوگا جو جنت میں بغیر عذاب کے جائے گا مگر اس طبقہ کا حساب و کتاب ضرور ہوگا۔ یعنی اہلِ ایمان کا یہ طبقہ جہنم میں نہیں جائے گا مگر اُن کا حساب ہوگا۔ وہ اپنے حساب میں اپنے رب العزت کے فضل و کرم کے ساتھ بخشش کے حقدار قرار دیئے جائیں گے۔ اس طبقہ کی اطاعت کا پلڑا بھاری ہوگا، جس کے سبب یہ بعد الحساب جنت کے حقدار قرار پائیں گے۔

جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا تو اِس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے پلڑے میں ہے ہی کچھ نہیں۔ اس پلڑے میں کچھ نہ کچھ نافرمانیاں اور گناہ ہوتے ہیں لیکن یہ پلڑا پہلے پلڑے کے مقابلے میں ہلکا ہوتا ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ. فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ. وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ. فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ. (القارعه، ۱۰۱: ۶۔۹)

’’پس وہ شخص کہ جس (کے اعمال) کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ خوشگوار عیش و مسرت میں ہوگا اور جس شخص کے (اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ (جہنم کا

☆ (خطاب نمبر: Fe20، تاریخ: 3 جون 2019ء، مقام: شہر اعتکاف، لاہور) (ناقل: محمد ظفیر ہاشمی)

گڑھا) ہوگا‘‘۔

یعنی اہلِ جنت کیلئے کہا کہ ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گا اور گناہوں کا پلڑا ہلکا ہوگا جبکہ اہلِ جہنم کے لیے کہا کہ ان کے گناہوں، نافرمانیوں اور معصیتوں کا پلڑا بھاری ہوگا اور نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔

پس دوسرا طبقہ وہ ہوگا جن کا حساب ہوگا، ان کے اعمال تولے جائیں گے، حساب دینے کے یہ لمحات اُن پر بڑے بھاری گزریں گے مگر اطاعات زیادہ ہوں گی لہذا بخشش و مغفرت اور جنت کی ڈگری عطا کردی جائے گی۔

۳۔ تیسرا طبقہ: بغیر حساب و عذاب مستحقِ جنت

مومنین میں سے تیسرا طبقہ وہ ہوگا جو بغیر حساب کے سیدھا جنت میں جائے گا۔ عذاب تو دور کی بات رہی، اُن کا حساب بھی نہیں ہوگا اور بغیر حساب و کتاب کے یہ لوگ جنت میں بھیجے جائیں گے۔ احادیث نبوی ﷺ میں ان کے مختلف عدد بیان ہوئے ہیں۔ اِس زمرے میں داخل ہونے کا حق اُن کو ملے گا جو ہر روز خود احتسابی کرتے تھے، ہر روز اپنے آپ کو تولتے اور اپنے اعمال و احوال کے خودمحاسب بنتے تھے۔

مذکورہ بالا طبقات کے حاملین کون لوگ ہیں؟

مذکورہ بالا طبقات میں کون کون سے لوگ شامل ہوں گے؟ اس حوالے سے اگر قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور ائمہ کے اقوال کا مطالعہ کریں تو اِس لحاظ سے چار طبقات ہیں۔ اِن چار طبقات کی تفصیل علامہ ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب ’’ادب الدنیا و الدین‘‘ میں بیان کی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ اوامر ونواہی کا پابند طبقہ

ان طبقات میں سے پہلا طبقہ وہ ہے جو ہر روز اپنا محاسبہ اور خود احتسابی کرتا ہے۔ یہ طبقہ اللہ رب العزت کے اوامر و احکامات پر لبیک کہتا ہے اور نیکی، اطاعت، عبادت اور بھلائی کے تمام کاموں کو انجام دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حسبِ استطاعت گناہوں، معاصی اور نافرمانیوں سے بھی اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ جن لوگوں میں اوامر کی پابندی اور نواہی سے پرہیز دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، وہ اللہ رب العزت کے کاملاً فرمانبردار ہیں۔

علامہ ماوردی اس طبقے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَجِيبُ إِلَى فِعْلِ الطَّاعَاتِ، وَيَكُفُّ عَنْ ارْتِكَابِ الْمَعَاصِي. (ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱:۹۷)

جنہوں نے فعل طاعت پر لبیک کہا اور ارتکابِ معصیت سے رُک گئے۔ یہ طبقہ جزا اور ثواب کے حوالے سے سب سے اعلیٰ درجے کا حق دار ہے۔

اس طبقہ کے لوگوں کو دوہرا اجر و ثواب اور دوہری قربت اور قدر و منزلت ملے گی، اس لیے کہ ایک طرف وہ اللہ کے اوامر کو بجا لائے اور دوسری طرف اللہ کے نواہی سے بھی اجتناب کیا، لہذا دوہرے اجر کے حقدار قرار پائے۔

۲۔ نیکی سے گریز اور نافرمانی کا ارتکاب کرنے والا طبقہ

جس طرح پہلا طبقہ ایک کمال پر ہے کہ وہ اوامر و نواہی دونوں کا پابند ہے، اسی طرح دوسرا طبقہ دوسری انتہا پر ہے۔ اس طبقے کے بارے علامہ ماوردی کہتے ہیں:

مَنْ يَمْتَنِعُ مِنْ فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَيُقْدِمُ عَلَى ارْتِكَابِ الْمَعَاصِي.

یہ طبقہ نیکی، اطاعت، عبادت، تقویٰ، خیر، بھلائی اور فرمانبرداری کے امور سے گریز کرتا ہے یعنی انہیں انجام نہیں دیتا اور گناہوں، نافرمانی، معصیت ظلم اور ناانصافی کی طرف اُس کے قدم بڑھتے ہیں۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ أَخْبَثُ أَحْوَالِ الْمُكَلَّفِينَ ہیں۔ یعنی جتنے لوگوں سے جواب طلبی اور حساب کتاب ہوگا، ان میں سے اس طبقہ کے لوگ سب سے بدترین حال کے مالک ہوں گے۔

اس طبقہ کے لوگوں کو دوہرا عذاب ہوگا۔ اللہ کے اوامر و احکام بجا نہ لانے پر عذاب اور گناہ و معصیت کے ارتکاب پر بھی عذاب۔ گویا ان کے لیے ایک عذاب اس لیے ہوگا کہ

انہوں نے اللہ کے احکام کو ہلکا سمجھا اور بے پرواہی کی جبکہ دوسرا عذاب اس لیے ہوگا کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کرنے میں جرأت و جسارت کی۔

اللہ کی نافرمانی پر جرأت کا ارتکاب کیوں؟

توجہ طلب چیز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ، قبر، روزِ قیامت، سزا و جزا، میزان ہر عمل کے لکھے جانے اور جنت و دوزخ پر یقین رکھنے کے باوجود اپنی زندگی میں اللہ کی نافرمانی کی جرأت کیوں کرتا ہے؟

☆ جلیل القدر تابعی ابن شبرمہ بیان کرتے ہیں کہ

عَجِبْتُ لِمَنْ يَحْتَمِي مِنَ الطَّيِّبَاتِ مَخَافَةَ الدَّاءِ كَيْفَ لَا يَحْتَمِي مِنَ الْمَعَاصِي مَخَافَةَ النَّارِ.

(ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱: ۹۷)

تعجب ہے اُس شخص پر جو بیماری سے بچنے کے لیے کئی پاک اور حلال چیزوں کے کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے مگر کتنی حیرت ہے کہ وہی لوگ اپنے آپ کو دوزخ اور آگ سے بچانے کے لیے گناہوں اور معاصی سے پرہیز نہیں کرتے۔

زندگی میں ہم عموماً دیکھتے ہیں کہ شوگر کے مریض چینی اور میٹھی اشیاء سے پرہیز کرتے ہیں، کلیسٹرول بڑھ جانے کے ڈر سے کئی لوگ گھی اور تیل میں بنی اشیاء نہیں کھاتے اور اسی طرح ہم مختلف امراض سے بچنے کے لیے بہت سی حلال اور طیب اشیاء سے پرہیز کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف یہ جاننے کے باوجود کہ جھوٹ، خیانت، غیبت، چغلی، حسد، لالچ، ظلم، حرام خوری اور دیگر گناہ دوزخ میں لے جائیں گے مگر ہم ان گناہوں سے پرہیز نہیں کرتے بلکہ جرأت سے انہیں سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

ابن صباوۃ فرماتے ہیں کہ

إِنَّا نَظَرْنَا فَوَجَدْنَا الصَّبْرَ عَلَى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالَى أَهْوَنَ مِنَ الصَّبْرِ عَلَى عَذَابِ اللّٰهِ تَعَالَى.

(ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱: ۹۷)

ہم نے زندگی کے احوال و معاملات پر غور وخوض کیا تو ہم نے دیکھا کہ اگر بندہ اللہ کی اطاعت پر صبر کرلے تو یہ صبر اللہ تعالیٰ کے عذاب پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

یعنی اگر بندہ اللہ کی اطاعت پر پختگی سے عمل پیرا ہوجائے، اللہ کی اطاعت کو زندگی میں حرزِ جاں بنالے تو اطاعتِ الٰہی پر صابر رہنا اور اُس پر قائم و دائم رہنا، قیامت کے دن اللہ کے عذاب پر صبر کرنے کی نسبت بہت آسان ہے۔ دوزخ میں عذاب کی شدت اِتنی ہوگی کہ اُس پر کوئی صبر نہیں کر سکے گا اور اُس کو برداشت کرنا بڑا مشکل ہوگا جبکہ اطاعت، اللہ کی عبادت، نیکی، بھلائی اور خیرات کے کاموں کو اگر مستقل طور پر جاری رکھنے پر تھوڑی مشقت آ بھی جاتی ہے تو اُسے برداشت کر لینا بہت آسان ہے۔ اگر بندہ اس مشکل کا اللہ کے عذاب کے ساتھ موازنہ کرے کہ قیامت کے دن دوزخ کے عذاب کی شدت کو برداشت کرنا آسان ہے یا آج اللہ رب العزت کی اطاعت اور نیکی میں مشقت برداشت کرنا آسان ہے تو لازمی بات ہے کہ ایک بندۂ مومن اطاعت و عبادات میں آنے والی مشقت کو برداشت کرنے کو ترجیح دے گا۔

حضرت فضیل بن عیاض ؒ سے کہا گیا:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ. اللہ آپ سے راضی ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا:

كَيْفَ يَرْضَى عَنِّي وَلَمْ أُرْضِهِ.

(ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱:۹۷)

وہ مولا مجھ سے کیسے راضی ہوگا؟ جب میں خود اس سے راضی نہیں ہوں۔

یعنی جب بندہ اُس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا، اُس کے منع کرنے کا احترام نہیں کرتا، اُس کے فیصلے کی قدر نہیں کرتا، وہ جو چاہتا ہے بندہ اسے نہیں چاہتا، الغرض بندہ اپنی مرضی سے زندگی گزارتا ہے اور اُس کے قضا، امر، حکم سے راضی نہیں تو رب اس سے کیسے راضی ہوگا؟ دوسرے طبقے والوں کا یہی حال ہوتا ہے، اس لیے وہ سراسر خسارہ میں ہوتے ہیں۔

۳۔ نیکیوں کا پابند مگر نافرمانیوں کا بھی مرتکب طبقہ

پہلے دو طبقات کے احوال واضح ہیں مگر تیسرے طبقے کے حال عجیب ہیں اور کثرت کے ساتھ لوگ ان حالات میں گرے

اور پھنسے ہوئے ہیں۔ تیسرے طبقہ کے بارے میں علامہ ماوردی لکھتے ہیں:

مَنْ يَسْتَجِيبُ إِلَى فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَيُقْدِمُ عَلَى ارْتِكَابِ الْمَعَاصِي. (ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱:۹۷)

اس طبقہ میں شامل لوگ نیکیاں بھی کرتے ہیں ،فرائض، واجبات، سنتیں، نوافل بھی بجا لاتے ہیں، حج، عمرہ، نیک کام، اعتکاف، توبہ کی مجلس میں شرکت، خیرات وحسنات کی انجام دہی، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ وخیرات کی ادائیگی الغرض اطاعات اور خیر کے امور کی انجام دہی میں پیش پیش رہتے ہیں مگر گناہوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ یعنی افعالِ خیر کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ زندگی میں گناہ، معصیت، نافرمانیاں، کبائر وصغائر، ظلم، حق تلفی، ناانصافی، غیبت، چغلی، برائی، جھوٹ، تکبر، عجب، عیب جوئی، نفرت وحقارت، تہمت، لغو گوئی، لالچ، حرص، گالی گلوچ اور خیانت بھی کرتے ہیں۔ وضع قطع بھی دینی رکھتے ہیں، دینی احکام کو بجا بھی لاتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ معاملات کی انجام دہی میں عدمِ اطاعتِ الٰہی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ گویا ان کی زندگی اِن دوقسموں کے معاملات کے ساتھ بھری ہوتی ہے۔

یہ ایک مشکل (critical) کیس ہے۔ chronic infection ہے،اس سے نجات پانے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت کی ایسی نافرمانی اور اِس جرأت پر اس طبقے کے لوگ اللہ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اس طبقے میں شامل لوگوں کی نیکیوں اور اعمالِ حسنہ کا کیا بنے گا جو وہ سرانجام دیتے رہے ہیں؟ یاد رکھیں! یہ لوگ جس قسم کی برائیوں کے مرتکب ہوئے ہیں، یہ برائیاں ان کی نیکیوں کو کھاتی چلی جاتی ہیں، جب آدمی قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگا تو اس کے وہ تمام گناہ اور نافرمانیاں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ،لوگوں پر مظالم اور لوگوں کی حق تلفیوں سے ہے، ان تمام کا حساب دیئے بغیر اور عذاب چکھے بغیر نجات ممکن نہیں۔

(۱) حق تلفی کی تلافی کے بغیر نجات نہیں

حق تلفی کا ایک وسیع مفہوم ہے۔ صرف کسی کا مال چرا لینا، ڈاکہ ڈال لینا، یا کسی کو جان سے مار دینا حق تلفی نہیں ہے بلکہ کسی کی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، تہمت لگانا، بدگمانی کرنا، کسی کی عزت کے خلاف کچھ کہنا، کسی کا دل توڑنا اور کسی کی بے عزتی کرنا بھی حق تلفی کہلاتا ہے۔ الغرض بہت سارے ظاہری و باطنی امور حق تلفی کے زمرے میں آتے ہیں۔ یعنی آنکھوں سے دکھائی دینے والے امور بھی حق تلفی میں شمار ہوتے ہیں اور وہ امور جن کا ارتکاب دل اور نیتوں کے ذریعے ہوتا ہے، وہ بھی حق تلفی میں شمار ہوتے ہیں۔

اس طبقے میں شامل جب کوئی آدمی نیکیاں اور حق تلفی کی صورت میں کیے گئے گناہ لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا تو سب سے پہلے اُس کے نیک اعمال نہیں تولے جائیں گے بلکہ سب سے پہلے ان اعمال کا حساب لیا جائے گا جن کا اُس نے دنیا میں بدلہ نہیں چکایا تھا اور یعنی جس کسی کی بھی اس نے جس بھی طرح کی حق تلفی کی تھی مگر اس حق تلفی پر تلافی نہیں کی تھی، اُس کی امانت واپس نہیں کی تھی، معافی نہیں مانگی تھی، لوٹا ہوا مال واپس نہیں کیا تھا، جس کی بے عزتی کی، اس کی عزت بحال نہیں کی تھی، پہلے جھوٹ بولا اور پھر سچ بیان نہیں کیا تھا، کسی پر لگائی ہوئی تہمت کو واپس نہیں لیا تھا، یعنی تلافی نہیں کی تھی تو اب قیامت والے دن چونکہ تلافی کا وقت گزر چکا ہوگا، لہٰذا اب تلافی کی صورت یہ ہوگی کہ اُس کی ساری نیکیاں یکے بعد دیگرے فرشتے اِس کے نامۂ اعمال سے نکال کر اللہ کے حکم سے اُن لوگوں کے نامۂ اعمال میں ڈالتے جائیں گے جس سے اس نے دنیا میں زیادتی کی ہوگی یا جن کی حق تلفی کی ہوگی۔ حتی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اِس بندے کے نامہ اعمال میں ایک نیکی بھی نہیں بچے گی اور اس کا پلڑا ہلکا ہوکر اوپر چلا جائے گا۔

آقا ﷺ نے ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس اور کنگال کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: جس کے پاس کھانے کے لیے لقمہ نہیں ہے اور کوئی ذریعہ

معاش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ مفلس نہیں ہے بلکہ مفلس وہ ہے جس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں بھی تھیں اور ظلم، گناہ اور حق تلفیاں بھی تھیں۔ بعد ازاں اُس کی ساری نیکیاں تلافی کے لیے اُس شخص کو دے دی گئیں جس کی اس نے دنیا میں حق تلفی کی تھی اور اِس طرح ہر ایک کی تلافی کرتے کرتے اس کے اپنے نامہ اعمال میں کچھ بھی نہ بچا۔ یعنی جس کا دامن خالی ہوگیا اور ساری نیکیاں ردِ مظالم میں چلی گئیں اور صرف گناہ ہی گناہ بچ گئے، اصل مفلس وہ ہے اور قیامت کے دن اُس کا حشر دیکھنے والا ہوگا۔

اسی لیے ایک اور موقع پر آقا ﷺ نے فرمایا:

أَقْلِعُوا عَنِ الْمَعَاصِي قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَكُمُ اللّٰهُ فَيَدَعَكُمْ هَتًّا بَتًّا.

لوگو! اپنے آپ کو گناہوں کی زندگی اور گناہوں کی آلودگی سے بچاؤ، قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس دن اللہ رب العزت تمہیں پکڑے گا اور پھر (تلافی کے لیے تمہارا محاسبہ کرے گا اللہ کا عدل) تمہیں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دے گا۔

(۲) شہوات اور شکوک وشبہات سے اجتناب کا حکم

اکابر اولیاء اللہ کہا کرتے تھے:

أَفْضَلُ النَّاسِ مَنْ لَمْ تُفْسِدِ الشَّهْوَةُ دِينَهُ، وَلَمْ تَتْرُكِ الشُّبْهَةُ يَقِينَهُ. (ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱: ۹۷)

اچھے لوگ وہ ہیں جن کی شہوت اور نفس کی خواہش اُن کے دین کو اور شکوک وشبہات اُن کے یقین کو برباد نہ کرے۔

تیسرے طبقے میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نیکیوں اور گناہوں کو خلط ملط کر دیا۔ یعنی نیکیاں بھی کرتے ہیں اور ظلم، زیادتی، گناہ اور نافرمانیاں بھی کرتے ہیں جبکہ حدیث مبارکہ میں افضل لوگ انہیں قرار دیا گیا جو نیکیوں اور گناہوں کو خلط ملط نہیں کرتے اور شکوک وشبہات کی بناء پر اپنے یقین کو برباد نہیں کرتے۔

خواہشِ نفس اور شکوک وشبہات یہ دو چیزیں انسان کو کھا جاتی ہیں۔ آدمی اچھا بھلا نیکی کر رہا ہے، دین اور انسانیت کی خدمت کر رہا ہے، دعوت وتبلیغ کر رہا ہے، اللہ کے دین، بھلائی اور خیر کے کام کر رہا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اُس کی زندگی میں شکوک وشبہات بھی پل رہے ہیں۔ وہ جو نیکی کر رہا ہے، اُس کو خود اس پر یقین نہیں ہوتا کہ جو میں کہہ اور سن رہا ہوں، عین اسی طرح ہوگا۔ اگر اسے اِس کا یقین ہو جائے تو وہ کبھی گناہ کو اپنے قریب بھی نہ آنے دے۔ جب بندہ نیکیوں کے ساتھ گناہ کو داخل کرتا ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ اُس کے اندر شُبہات ہیں جو یقین کے مرتبے اور خالصیت کو گدلا کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اعمالِ حسنہ کے اثرات اور تاثیر مرتب نہیں ہوتی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ لوگ افضل ہیں جن کی نفسانی خواہشات اُن کے دین کو برباد نہیں کرتیں اور جن کے شبہات اُن کے یقین کو متزلزل نہیں کرتے۔

ہم زندگی میں بہت سے ایسے لوگ دیکھتے ہیں کہ جو نیکیاں کرتے نظر آتے ہیں مگر پتہ نہیں چلتا کہ نیکی کے ساتھ ان کی commitment کی nature کیا ہے؟ motivation کیا ہے؟ اُن کے ساتھ اُن کے حسبِ خواہش معاملہ ہوتا رہے تو وہ خوش رہتے ہیں لیکن اگر اُن کی مرضی کے برخلاف معاملہ ہوجائے تو وہ عملِ خیر ہی سے رک جاتے ہیں۔

مثلاً: ایک آدمی ہمارا بڑا تابع فرمان، اطاعت گزار ہے، عزت، ادب اور تعظیم کرتا ہے مگر یہ سب کچھ وہ اُس وقت تک کرتا ہے جب تک ہم اُس کی خواہش کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں اور جب ہم اس کی خواہش کے برعکس اس سے معاملہ کرتے ہیں، مثلاً: اس کی مالی مدد کرنے سے کسی سبب رُک گئے ہیں تو وہ ادب، تعظیم، اطاعت سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جب تک ہم اُس کی مالی مدد کرتے رہے تو وہ ہماری تعریف میں رطب اللسان رہا، وہ تعریف درحقیقت ہماری نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ اپنی غرض اور طمع کی وجہ سے ایسا کر رہا تھا۔ گویا کسی لالچ، مفاد یا خوف سے نجات کی خواہش نے اسے ہمارے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا اور وہ ہماری تعریف واطاعت میں سرگرداں تھا مگر جونہی ہمارے سے وابستہ اس کے مفادات، لالچ یا خوف ختم ہوا تو اب اس کا ہمارے

ساتھ پہلے والا برتاؤ نہ رہا۔ اسی طرح اگر کسی کو منصب، کوئی ذمہ داری یا آفس دے رہے ہیں جس میں اُس کی عزت اور تکریم ہے تو وہ ہمیں واہ واہ کہے گا مگر جس لمحے ہم نے اُس سے منصب اور ذمہ داری واپس لے لی، اسے تبدیل کر دیا اور وہ ذمہ داری کسی اور کو دے دی تو اسی وقت ہی ہمارے ساتھ اُس کی عقیدت بھی چلی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ اس کی عقیدت کی motivation، ہماری تعریف کرنے کے پیچھے اس کا محرک اور بنیاد اس کا لالچ اور مفاد تھا لیکن اگر کسی منصب، عہدہ، مال و دولت کے مفاد، لالچ، خوف کے بغیر بھی اطاعت، فرمانبرداری، تعریف، تعظیم اور عزت کا وہی رشتہ برقرار رہے جو پہلے تھا اور اس حالت میں تغیر نہ آئے تو یہ استقامت، صدق اور اخلاص ہے۔

(۳) امتحان اور آزمائش کا وقت کون سا ہے؟

کسی سے اُس کی خواہش کے برعکس معاملہ ہوجانا اور کسی سے وابستہ مفاد کا ختم ہوجانا، درحقیقت وہ وقت ہے جسے آزمائش، ابتلاء اور امتحان کہا جاتا ہے کہ کیا اب اس کا اندر متغیر ہوتا ہے یا یہ استقامت سے قائم رہتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ. (البقرة، ۲: ۱۲۴)

’’اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے وہ پوری کر دیں‘‘۔

ابراہیم علیہ السلام کو ان کے صدق، اخلاص، سچی وفاداری، حقیقی تابعداری نے امام الانبیاء بنایا کہ ہر حال میں اللہ کے سچے اور مخلص بندے تھے۔ جب آگ میں بھی پھینک دیا تو اللہ سے تعلق کی نوعیت میں تغیر نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرشتے نے کہا کہ اگر آپ مجھے کہیں تو میں آپ کے لیے نمرود کی جلائی ہوئی اس آگ کو بجھا دوں؟ آپ نے فرمایا: اگر تو اپنے طور پر میری مدد کرنا چاہتا ہے تو مجھے تیری کوئی حاجت نہیں اور اگر اللہ کے امر سے یہ کہہ رہا ہے تو اللہ میرے حال سے تم سے زیادہ واقف ہے۔ اس آگ کے اندر کھڑا ہو کر بھی میرا تعلق اُس مولا کے ساتھ وہی ہے جو پہلے تھا۔

یعنی جب آگ میں نہیں پھینکا گیا تو اس وقت بھی میں اپنے مولا سے راضی تھا اور اب جب آگ میں پھینکا گیا ہوں تو میرے دل کی اب بھی وہی کیفیت ہے کہ میں اپنے مولا سے راضی ہوں۔ اسی طرح جب حضرت ابراہیمؑ کو آخری عمر میں عطا ہونے والے بیٹے حضرت اسماعیلؑ اور اپنی بیوی ہاجرہؑ کو بیابان میں چھوڑنے کا حکم ہوا اور بعد ازاں اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم ہوا تب بھی اللہ کے ساتھ تعلق، صدق، وفاداری، اخلاص، چاہت، حلاوت اور لذت وہی رہی جو ان احکام کے ملنے سے پہلے تھی۔

سمجھانا مقصود یہ ہے کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور لوگوں سے نیکیاں کرنے کے معاملے میں ہر حال میں ایک جیسا ہونا چاہئے۔ اللہ کی بارگاہ سے انسان کو جو کچھ مقدر ہے، ہر حال میں اسی پر راضی رہنا اور اس طرح بندوں کے ساتھ بھی ہر حال میں نیکیوں کے معاملہ کو جاری رکھنا خواہ اس کا عمل ہماری خواہشِ نفس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ ہمارا اللہ اور اس کی مخلوق کے ساتھ تعلق ریت پر قائم تھا اور اس تعلق کی حقیقت کوئی نہ تھی۔ بندہ کا اپنے مولا کے ساتھ تعلق ریت پر قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ بندہ مصیبتوں اور مشکلات میں اللہ سے شکوہ و شکایت کرتا ہے۔ ہاں اگر اُس کا یقین اِتنا کامل ہو کہ اس کا حال متغیر ہی نہ ہو تو پھر وہ ہر وقت صدق، اخلاص، اللہ کی اطاعت اور قربت کو قائم رکھتا ہے اور اُس کی معصیت اور ناراضگی سے ڈرتا ہے۔

حضرت فضیل ابن عیاضؒ سے کہا گیا:

مَا أَعْجَبُ الْأَشْيَاءِ (ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱/ ۹۷)

آپ کے نزدیک عجب ترین چیز کیا ہے؟

فَقَالَ: قَلْبٌ عَرَفَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ عَصَاهُ

فرمایا: وہ دل بڑا عجیب ہے جو اللہ کو پہچان لے اور پھر اُس کی نافرمانی کرے۔

یعنی وہ پہچان لے کہ وہ میرا مولا ہے، مجھے رزق دینے

والا، مجھے پیدا کرنے والا، مجھے عزت دینے والا، مجھ پر کرم کرنے والا، مجھے مال دینے والا، سہولت دینے والا، مجھے نعمتوں سے نوازنے والا، اطاعت پر مجھے اپنا قرب اور جنت عطا کرنے والا ہے اور معاصی و نافرمانی پر عذاب دینے والا ہے، یہ سب کچھ جان لے پھر بھی اس کی نافرمانی کرے، اِس سے بڑی عجیب چیز دنیا میں کوئی نہیں۔

☆ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ سے پوچھا:

أَيُّمَا أَحَبُّ إِلَيْكَ رَجُلٌ قَلِيلُ الذُّنُوبِ قَلِيلُ الْعَمَلِ، أَوْ رَجُلٌ كَثِيرُ الذُّنُوبِ كَثِيرُ الْعَمَلِ؟

ان دو میں سے کون سا شخص آپ کو زیادہ اچھا لگتا ہے: وہ شخص جس کے گناہ بھی کم ہیں اور عمل بھی کم ہیں یا وہ شخص جس کے عمل بھی زیادہ ہیں اور گناہ بھی زیادہ ہیں؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

لَا أَعْدِلُ بِالسَّلَامَةِ شَيْئًا

گناہ، اللہ کی نافرمانی اور دین کو نقص پہنچانے سے سلامت رہنا، اِس کے برابر کائنات میں کوئی شے نہیں ہے۔

یعنی بندہ اللہ کی اطاعت کرے اور نافرمانی کے ذریعے اُس اطاعت کو نقصان نہ پہنچنے دے۔ یہ سلامتی دین، سلامتیِ قلب و روح اور سلامتیِ اطاعتِ الٰہی ہے۔ اِس سلامتی سے بہتر کوئی شے کائنات میں نہیں ہے۔ گویا اللہ جس کو نیکی کی توفیق دے دے پھر اُس پر واجب ہے کہ اس نیکی کی حفاظت کرے اور نیکی کی حفاظت یہ ہے کہ معصیت، نافرمانی، گناہ اور شر سے پرہیز کرے۔

☆ اہل اللہ میں سے کسی کو کہا گیا:

مَا تَقُولُ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ؟

صلاۃ اللیل، قیام اللیل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اُنہوں نے جواب دیا:

خَفِ اللّٰهَ بِالنَّهَارِ وَنَمْ بِاللَّيْلِ

دن کے وقت اللہ سے ڈر اور رات کو سو جا۔

یعنی سارا دن اللہ کے خوف میں گزارنا اور رات راحت کی نیند پانا، یہ اس امر سے پسند ہے کہ رات کو بندہ نفل پڑھے اور دن خدا سے بے خوف ہو کر ظلم، معصیت، نافرمانی، حلال ترک کرنے اور گناہ کے ارتکاب میں گزارے۔

☆ اہل اللہ میں سے کوئی سوئے ہوئے تھے تو کسی نے انہیں کہا:

أَهْلَكَكُمُ النَّوْمُ. فَقَالَ: بَلْ أَهْلَكَتْكُمُ الْيَقِظَةُ

تمہیں نیند نے ہلاک کر دیا۔ اُس ولی اللہ نے کہنے والے کے حال کی طرف نظر کی اور پھر اسے فرمایا: تمہیں جاگنے نے ہلاک کر دیا۔

گویا جس آدمی کا جاگنا پاک اور اللہ کی اطاعت میں ہے تو وہ اللہ کو محبوب و مرغوب ہے، اُس کی ساری نیند بھی عبادت اور اللہ کی اطاعت میں ہے اور اگر رات کی نیند کے وقت میں بھی عبادت کرتا ہے اور اطاعت بجا لاتا ہے تو وہ نور کے اوپر مزید نور حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ جس کا جاگنا اللہ کی اطاعت میں نہیں ہے، اُس کی نیند بھی ہلاکت ہے۔

۴۔ نیکی اور برائی دونوں سے گریز کرنے والا طبقہ

چوتھے طبقے والوں کا حال بھی تیسرے طبقے والوں کی طرح نہ صرف عجیب ہے بلکہ لوگوں کی اکثریت اس میں گرفتار ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

مَنْ يَمْتَنِعُ مِنْ فِعْلِ الطَّاعَاتِ، وَيَكُفُّ عَنِ ارْتِكَابِ الْمَعَاصِي. (ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱: ۹۷)

وہ لوگ جو نیکی کے کام کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں اور برائی و معاصی کے ارتکاب سے بھی رکتے ہیں۔

یعنی نیکی کے کام بھی نہیں کرتے اور گناہ بھی نہیں کرتے۔ اس طبقے کے لوگوں کو بھی اللہ عذاب دے گا، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے احکام کو ہلکا جانا اور اس کو کھیل تماشہ سمجھا اور اللہ کے احکام کا یقین نہیں رکھا۔ گویا نیکی فرائض، واجبات، سنن، خیرات، حسنات اور اطاعت بجا نہیں لائے اور اللہ کے حکم کو رد کر دیا۔ دوسری طرف اگر یہ لوگ گناہ نہیں کرتے تو وہ اس کام سے اللہ کے حکم کی وجہ سے نہیں رکے بلکہ وہ اُن کی ایک اپنی approach اور سوچ ہے۔ ان کے اس عمل میں خیر ہے مگر آخرت کا اجر نہیں۔ اگر وہ اللہ کا امر سمجھ کر گناہوں سے بچتا تو

اُس سے پہلے وہ اللہ کا امر سمجھ کر اُس کے احکام اور اطاعت کو بجا لاتا۔ تاہم اِس طبقہ کے لوگوں کو ایک حصہ کا عذاب ملے گا اور ایک حصے کا عذاب نہیں ملے گا۔ اوامر کو بجا نہ لانے کا عذاب ملے گا اور گناہ کا ارتکاب نہ کرنے پر عذاب نہیں ملے گا مگر اس پر اُسے ثواب بھی نہیں ملے گا، اس لیے کہ اگر وہ اللہ کے امر کی اطاعت میں معاصی سے پرہیز کرتا تو اِس پرہیز پر اسے اجر و ثواب ملتا۔ وہ تو اپنے ذوق، سمجھ، approach، کلچر یا معاشرے کے ڈر کی وجہ سے humanitarian گناہوں سے بچا ہوا ہے، اس لیے یہ اُس کے لیے دنیا میں تو خیر ہے اور آخرت کے عذاب سے بھی بچ گیا مگر Still اطاعت بجا نہ لانے کا جو عذاب ہے اُس کے اوپر قائم ہے، اُس سے اپنے آپ کو اس سے نہیں بچایا۔

پہلے زمانوں کے اولیاء و صوفیاء میں سے ایک ولی اللہ ایک ایسے اجتماع میں خطاب کر رہے تھے کہ اُن کے ایک طرف غنی لوگ تھے اور دوسری طرف فقیر اور محتاج لوگ تھے۔ انہوں نے اغنیاء اور مال داروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یَا مَعْشَرَ الْأَغْنِیَاءِ لَکُمْ أَقُولُ: اسْتَکْثِرُوا مِنَ الْحَسَنَاتِ فَإِنَّ ذُنُوبَکُمْ کَثِیرَةٌ.

(ماوردی، ادب الدنیا والدین، ۱:۱۰۰)

اے مال دارو! نیکیوں کی کثرت کرو چونکہ تمہارے گناہ بہت ہیں۔

یعنی نیکیاں بہت ہوں گی تو گناہوں کی تلافی کا سامان پیدا ہوگا۔ پھر غرباء، مساکین، محتاج اور فقراء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَیَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ لَکُمْ أَقُولُ: أَقِلُّوا مِنَ الذُّنُوبِ فَإِنَّ حَسَنَاتِکُمْ قَلِیلَةٌ

اے فقراء! تم اپنے گناہوں کو کم کرو چونکہ تمہارے پاس نیکیاں کم ہیں۔

معلوم ہوا غریبی اور امیری پر آخرت کی نجات و فلاح اور جنت دوزخ کا مدار نہیں ہے۔ کوئی چیز کسی کے نام رجسٹرڈ نہیں ہے، نہ امیر کے لیے اور نہ غریب کے لیے۔ اگر غریب کے پاس نیکیاں کم ہیں اور گناہ کثیر ہیں تو اُس کی غربت اسے نہیں بچائے گی اور غریب ہونے کی وجہ سے اسے گناہوں کی معافی نہیں ملے گی۔ اسی طرح کوئی امیر ہے اور اُس کی نیکیاں کم اور گناہ کثیر ہیں تو اُس کی امارت اسے گناہوں سے معافی نہیں دلوائے گی۔ امیر کے پاس مال کی کثرت کئی ایسے گناہوں کا سبب بنتی ہے جو غریب کے لیے باعث نہیں بنتی، اس لیے اسے زیادہ نیکیاں کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، جبکہ دوسری طرف غریب مال کی کمی کی وجہ سے کئی طرح کی نیکیاں حاصل نہیں کر پا رہا لہذا اسے اپنے گناہ کم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

امیر کے لیے کئی گناہوں کا سبب اس کا مال و دولت ہے جبکہ غریب کے لیے اور اسباب ہیں جو گناہ کے اسباب بن جاتے ہیں۔ اس لیے کہ بعض اوقات بولنے، دیکھنے، سننے، سوچنے اور دل کی خواہشات سے بھی نیکیاں اور گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو اِن گناہوں اور نیکیوں کے سرزد ہونے کا علم نہ ہو مگر اللہ رب العزت کی نگاہ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

پس نیکیوں کے کرنے اور گناہوں سے اجتناب کے باعث یا نیکیوں اور گناہوں کو خلط ملط کرنے یا گناہوں کے کرنے اور نیکیوں کے نہ کرنے یا گناہوں اور نیکیوں دونوں کو نہ کرنے کے لحاظ سے لوگوں کے احوال اور طبقات قائم ہوتے ہیں۔ نیکیوں اور گناہوں کے حوالے سے توازن قائم کرنا دین کو مضبوط کرتا ہے اور توازن کا قائم نہ کرنا دین کو کمزور کرتا ہے۔ اِس لیے اس کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ آدمی جو نیکیاں کرے اور اطاعت بجا لائے اُن کو مکمل آداب کے ساتھ بجا لائے۔ اگر بندہ ادب کے ساتھ اطاعت بجا لائے اور اُس کے ساتھ حسنِ خلق رکھے تو وہ اطاعت از خود بُرائی، معاصی اور گناہ کو اُس کی جڑ سے کاٹتی چلی جاتی ہے اور گناہوں کے وزن کو کم کرتی چلی جاتی ہے۔

(جاری ہے) ❀❀❀❀❀

سہ روزہ دورہ علوم الحدیث

حدیثِ صحیح کے مراتب پر ایک نیا زاویۂ نظر

حدیث صحیح کے مراتب سبعی کی ترتیب کا اطلاق اغلب اور اکثر احادیث پر ہوتا ہے، فرداً فرداً ہر حدیث پر نہیں ہوتا

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

نشست: دوم
حصہ: 2

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

حدیث صحیح کے مراتب کے حوالے سے میری رائے یہ ہے کہ سات درجات میں حدیثِ صحیح کی تقسیم سے عام طور پر جو مراد لے لیا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔ تقسیم کے اندر اصلاً اعتراض نہیں ہے مگر اُس تقسیم کا بالعموم اہلِ علم نے جو معنیٰ و مفہوم مراد لیا ہے، وہ قابلِ توجہ اور قابلِ غور ہے۔ صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح یا رُجحان البخاری علی مسلم اکثر احادیث پر ہے۔ یعنی اغلب احادیث کا معیار اس طرح ہے مگر یہ قاعدہ و کلیہ نہیں کہ صحیح مسلم کی ہر حدیث، صحیح بخاری میں روایت کی ہوئی حدیث سے ادنیٰ ہوگی، ایسا نہیں ہے۔ ہر حدیث جس کی صحیح بخاری میں تخریج ہوئی، وہ صحیح مسلم کے اندر تخریج ہونے والی منفرد حدیث سے اعلیٰ ہوگی، یہ اطلاق ہر ہر حدیث پر نہیں ہوگا۔ یہ اُصول، قاعدہ اور کلیہ فرداً فرداً نہیں ہے، یہ من جملہ ہے۔ غالب اور اکثر احادیث اس طرح ہیں، اس لیے کتاب کا درجہ اس طرح ہے کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی جاتی ہے مگر کتاب کے اندر درج ہونے والی ہر ہر حدیث کی اپنی ترجیح، اپنی قوت، اپنی اصحیت اور اپنا مرتبہ ہے اور اُس کا انحصار اُس کی سند پر ہوگا۔

اس مؤقف پر ذیل میں ائمہ و محدثین کی تصریحات بیان کی جارہی ہیں:

علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق

مذکورہ بالا تمام نقد و نظر پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول پیش کرتا ہوں۔ النکت علیٰ کتاب ابن الصلاح میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن الصلاح کی اسی ترتیب پر گفتگو کرتے ہوئے ایک فصل قائم کی ہے اور اس میں تنبیہ وارد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذلك أن كون ما اتفقا على تخريجه أقوى مما انفرد به واحد منهما له.

متفق علیہ حدیث اعلیٰ ہے۔ اُس کے بعد اس حدیثِ صحیح کا مرتبہ ہے جس میں دونوں (امام بخاری و امام مسلم) میں سے کوئی ایک منفرد ہو جائے

امام عسقلانی نے متفق علیہ کے بعد صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کسی حدیث کو ترجیح نہیں دی۔ اس عدمِ ترجیح کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

أن الإسناد الذي اتفقا على تخريجه يكون متنه أقوى من الإسناد الذي انفرد به واحد منهما.

جس حدیث پر امام بخاری و مسلم دونوں متفق ہوگئے، وہ سند تو ہر لحاظ سے منفرد پر اقویٰ ہوگی اور مزید یہ کہ جس سند پر اتفاق ہوگیا، اُس کا متن بھی منفرد اسناد کے ساتھ ثابت متن کے مقابلے میں اقویٰ تصور ہوگا۔ یعنی امام بخاری اور امام مسلم کو حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے مساوی رکھا ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں:

نعم، قد يكون في ذلك الجانب أيضاً قوة من جهة

☆ خطاب نمبر: Ba-126، مقام: جامع المنہاج، بغداد ٹاؤن، مورخہ: 08 اکتوبر 2017ء، ناقل: محمد خلیق عامر

أخری وهو أن المتن الذي تتعدد طرقه أقویٰ من المتن الذي ليس له إلا طريق واحدة.

ایک حدیث صحیح بخاری میں آئے یا صحیح مسلم میں آئے دونوں کی صحت پر قطعیت ہے مگر اُن کے اقویٰ ہونے کی ایک جہت اور بھی ہے۔ وہ اقویٰ جہت یہ ہے کہ ایک متن وہ ہے جو صرف ایک طریق سے آیا ہے اور ایک متن وہ ہے جو کئی طرق سے آیا ہے، تو متعدد طرق سے آنے والا متن واحد طریق سے آنے والے متن سے اقویٰ ہوجائے گا۔ پھر فرمایا:

فالذي يظهر من هٰذا أن لا يحكم لأحد الجانبين بحكم كلي.

اس اصول کے تحت یہ بات ثابت اور ظاہر ہوگئی کہ جانبین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں سے کسی ایک پر حکمِ کلی نہیں لگایا جائے گا کہ اِس کا درجہ اعلیٰ ہے اور اُس کا درجہ ادنیٰ ہے۔

امام عسقلانی اسی موضوع پر ایک اور قاعدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لأن الحديث الذي ينفرد به مسلم مثلاً إذا فرض مجيئه من طرق كثيرة حتى تبلغ التواتر أو الشهرة القوية.

فرض کریں کہ ایک حدیث جو صحیح مسلم کے ساتھ منفرد ہے اور طرقِ (اسانید) کثیرہ سے اُس کا آنا ثابت ہو جائے اور بیشک وہ طرق حدِ تواتر کو نہ پہنچیں مگر شہرتِ قویہ کو پہنچ گئے ہیں اور ائمہ نے بھی ان طرق کو صحیح مانا تو:

لا يقال فيه: إن ما انفرد البخاري بتخريجه إذا كان فرداً ليس له إلا مخرج واحد أقویٰ من ذٰلك.

اس حدیث کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ حدیث جو صرف صحیح بخاری میں آئی ہے، وہ صحیح مسلم کے متعدد طرق والی حدیث سے اقویٰ ہے۔

فليحمل إطلاق ما تقدم من تقسيمه على الأغلب الأكثر. (عسقلانی، النكت، ص ٣٦٥.٣٦٦)

پس اس اطلاق سے یہ ثابت ہوا کہ صحیح بخاری کا درجہ صحیح مسلم کے مقابلے میں اغلبیت اور اکثریت پر محمول کیے جانے کی وجہ سے اونچا ہے، یعنی من جملہ صحیح بخاری کا صحیح مسلم پر درجہ اونچا ہے، ایک ایک حدیث پر فرداً فرداً اس کا اطلاق نہیں ہوگا۔ میں نے اپنی گفتگو میں أغلبیه اور أکثریه کا لفظ استعمال کیا تھا، وہ اصطلاح امام عسقلانی کے ان ہی کلمات سے بنائی ہے۔

امام ابن الہمام کی تحقیق

امام ابن الہمام حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں۔ آپ کی تصنیف فتح القدير ہے جو الهدايه کی شرح ہے۔ آپ کا مزار قاہرہ میں ہے۔ میں کئی بار اُن کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوا ہوں۔ امام ابن الہمام حنفی فتح القدیر میں اس حوالے سے باب النوافل میں لکھتے ہیں:

من قال أصح الأحاديث ما في الصحيحين ثم ما انفرد به البخاري ثم ما انفرد به مسلم ثم ما اشتمل علىٰ شرطهما من غيرهما، ثم ما اشتمل على شرط أحدهما، تحكم لا يجوز التقليد فيه.

جس نے یہ کہا کہ مرتبہ میں اعلیٰ حدیث وہ ہے جو صحیحین میں ہے اور پھر وہ جو صرف صحیح بخاری میں ہے اور پھر وہ جو صرف صحیح مسلم میں ہے پھر وہ جو ان دونوں کی شرائط پر ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی پھر وہ جو اِن دونوں میں سے کسی ایک کی شرائط پر ہے۔ ایسا کہنا تَحَکُّمْ ہے، اس قول کی تقلید جائز نہیں ہے۔

غور کریں کہ ائمہ و علماء کتنی باریک باریک چیزوں کا لحاظ رکھتے تھے، اس لیے کہ علم اور فن کا تقاضا ہی یہ ہوتا ہے۔ ایسے نہیں ہے کہ بس فتوے کے ہتھوڑے سے مختلف آراء اور موقف رکھنے والے کا سر اڑا دیا۔ آواز بلند کرنے اور گلا پھاڑ کر بولنے سے علمی مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ یہ تحقیق، تدقیق اور تنقیح کے ساتھ ہوتا ہے۔ افسوس! ہمارے ہاں یہ کلچر ختم ہوگیا ہے۔

مدارِ صحت کتاب پر نہیں بلکہ اسناد پر ہوتا ہے

امام ابن الہمام اپنے مذکورہ موقف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

إذا الأصحية ليس إلا لاشتمال رواتهما على

الشروط التي اعتبراها. فإذا فرض وجود تلك الشروط في رواة حديث في غير الكتابين. (السيواسي، شرح فتح القدير، ١/٤٤٥)

اصحیت کتاب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُن شرائط پر مبنی ہوتی ہے جنہیں امام بخاری اور امام مسلم نے اپنایا ہے اور جو شرائطِ صحت مقرر کر دی گی ہیں، اگر وہ شرائط صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ کسی اور سند میں ثابت ہوجائیں تو وہ حدیث بھی صحیح ہوگی۔

مثلاً: اگر وہ شرائطِ صحت مصنف عبدالرزاق میں ثابت ہوجائیں یا مصنف ابن ابی شیبہ میں ثابت ہوجائیں تو کیا ہم اس کی صحت کو ماننے سے صرف اس لیے انکار کردیں گے کہ وہ حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں موجود نہیں ہے۔ نہیں، ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن شیبہ کا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے۔ صحیح مسلم کے تقریباً ہر دو صفحہ کے بعد دو، تین احادیث ابن ابی شیبہ سے مروی ہیں، پوری صحیح مسلم میں کوئی دو تین ورق ایسے نہیں پلٹا سکتے جس پر امام مسلم نے امام ابن ابی شیبہ سے روایت نہ کیا ہو۔ جس امام سے امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ خود روایت کر رہے ہیں تو کیا ان ائمہ کی مرتب کردہ کتب (مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ) کی روایات پر عدمِ صحت کا لیبل لگایا جاسکتا ہے۔۔۔؟ یہ الگ بات ہے کہ اُس وقت اتصالِ سند، ضبطِ طعن کی شرائط، ثقاہت، عدمِ شذوذ اور عدمِ علت کی یہ شرائط مقرر نہیں تھیں جو بعد والوں نے مقرر کیں مگر ایک چیز نمایاں ہے کہ اُن ائمہ کا زمانہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ سے زیادہ آقا ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ سے قریب تر تھا، اس وجہ سے اُن کو بعض شرائط میں سہولت اور نرمی تھی مگر یہ بات یقینی ہے کہ اُن کی روایت اور سند عالی تھی۔

مثلاً: امام مالکؒ کی سند اور امام ابو حنیفہؒ کی سند حضور ﷺ کے زمانے سے قریب ہونے کے باعث اُن ائمہ یعنی امام عبدالرزاقؒ اور امام ابن ابی شیبہؒ سے بھی عالی تھی۔ امام ابو حنیفہؒ نے 17 احادیث صرف ایک صحابی کے واسطے سے براہ راست حضور ﷺ سے روایت کی ہیں، یہ شان کسی امامِ حدیث کو حاصل نہ تھی۔ امام ابوحنیفہؒ نے سیکڑوں احادیث دو واسطوں سے روایت کیں یعنی براہِ راست تابعی سے، تابعی نے صحابی سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے۔ یہ ثنائیات (راوی اور حضور ﷺ کے درمیان صرف دو راوی) نہ امام بخاریؒ کے پاس ہیں اور نہ امام مسلمؒ، امام ابو داؤدؒ، امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کے پاس ہیں۔ حتی کہ امام مالکؒ کے پاس بھی بہت کم ثنائیات ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سب سے اعلیٰ درجے کی سند احادیث ہے جو آپ نے براہِ راست صحابی سے روایت کیں۔ چونکہ آپ صغار تابعین میں سے ہیں۔

دوسری طرف امام بخاریؒ کی سب سے عالی سند ثلاثی (تین واسطوں کے ساتھ) ہے۔ امام بخاریؒ کے پاس ۲۲ ثلاثیات ہیں۔ اور اُن ۲۲ ثلاثیات میں سے ۲۰ احادیث وہ ہیں جو امام بخاریؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تلامذہ سے روایت کی ہیں۔ گویا امام اعظمؒ کے تلامذہ امام بخاریؒ کے اساتذہ تھے۔

بتانا مقصود یہ ہے کہ جن کا درجہ قربِ زمانی کی وجہ سے بہت اعلیٰ تھا، وہ اس طرح کی بہت سی شرائط کے اطلاق سے مستغنی بھی تھے۔ جب بعد کے زمانے میں علوم مدون ہوئے اور اُصول و قواعد مرتب ہوئے تو جو شرائط مقرر کی گئیں، میں سمجھتا ہوں کہ ان اصول و شرائط کا اطلاق اُس زمانے اور بعد کے زمانے کے لیے تو حجت ہے مگر جو ثقہ امام اُن سے پہلے ہو گزرے، وہ اُن شرائط کے پابند نہ تھے۔ اس لیے کہ قُربِ زمانی اور سندِ عالی اُن کو ان سے بے نیاز کرتی تھی۔

بعد کے ائمہ کی سند نازل ہوگئی اور زمانہ بعید ہوگیا۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی صحت کے درجے میں بہت نیچے گر گئے۔ نہیں بلکہ جو شرائط امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے اپنائیں، اُن شرائط نے اُس علم کو مقید کر دیا اور وہ شرائط قواعد بن گئے اور ان قواعد کے اطلاق کی وجہ سے علمائے اُمت نے ان کا درجہ سب سے بلند کر دیا وگرنہ صحیح بخاری لکھے جانے سے قبل امام شافعیؒ کہتے تھے کہ **أصحّ الکُتُب بعد کتاب اللہ تعالیٰ هو الموطأ للإمام المالك.** قرآن کے بعد أصحّ الکُتُب موطأ امام مالکؒ

ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اُس وقت صحیح بخاری موجود نہیں تھی۔ پھر جب صحیح بخاری آ گئی تو بعد میں **أصحّ الکُتُب بعد کتاب الله الجامع الصحیح للبخاری** ہوگئی۔

سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی اور کتاب میں ہے اور اس کی سند صحیح ہے تو ہم کیوں اُسے تسلیم نہ کریں۔ مثلاً: کوئی حدیث مسند احمد بن حنبل میں ہے (امام احمد بن حنبلؒ خود امام بخاریؒ کے شیخ ہیں)۔ مصنف عبد الرزاقؒ میں (امام بخاریؒ کے شیخ) ہے، مصنف ابن ابی شیبہؒ (امام مسلمؒ کے شیخ) میں ہے۔ امام مالکؒ (امام بخاریؒ کے دادا شیخ) کے ہاں ہے، تو انہیں کیوں قبول نہ کیا جائے گا؟ حالانکہ امام شافعیؒ کے شیخ امام مالکؒ ہیں، امام احمد بن حنبلؒ کے شیخ امام ابو یوسف القاضیؒ ہیں، امام شافعیؒ کے شیخ امام محمد بن حسن شیبانیؒ ہیں۔ گویا امام احمد بن حنبلؒ بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پوتے شاگرد ہیں اور امام شافعیؒ بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پوتے شاگرد ہیں۔ امام شافعیؒ نے ۱۰ سال سے زائد امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے اور امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابو یوسف القاضیؒ سے اکتساب کیا اور یہ دونوں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اکابر تلامذہ میں سے ہیں۔

غور کریں کہ جن کے شیوخ اتنے اعلیٰ ہیں اور اُنہوں نے اپنے اعتماد اور اپنی توثیق کے ساتھ اُن رُواۃ کی سند لی ہے اور سند بھی صحیح، جید اور قوی ہے، کوئی راوی مطعون اور متکلم فیہ نہیں ہے، ہر راوی ثقہ ہے، اوثق ہے، حافظ ہے، متقن ہے، عادل و ضابط ہے اور ان میں کوئی علت اور شذوذ بھی نہیں، ساری شرائطِ صحت پوری بھی ہوں تو کیا وجہ ہے کہ یہ کہہ کر ترک کردیا جائے کہ چونکہ مصنف ابن عبد الرزاقؒ میں ہے، لہٰذا اُس کو نہیں مانیں گے، یا کم صحیح مانیں گے؟

یہ کیسے ممکن ہے کہ امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں امام عبد الرزاقؒ سے روایت کریں تو جائز اور اگر امام عبد الرزاقؒ خود اپنی کتاب ''مصنف'' میں روایت کریں تو ناجائز؟ یہ ہم نے کون سا اُصول بنا لیا ہے؟ یہ علم کہاں سے آیا ہے؟ یہ قاعدہ کہاں سے آیا ہے؟ اور یہ کہاں کا معیار ہے؟

اسی طرح امام مسلمؒ، امام ابن ابی شیبہؒ سے سیکڑوں احادیث روایت کریں تو جائز، حدیث صحیح اور اعلیٰ رہے اور جب امام ابن ابی شیبہؒ خود اپنی کتاب مصنف میں روایت کریں تو وہ حدیث مرتبہ میں نیچے گر جائے؟ ایسی بات نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مدارِ صحت نہ کتاب پر ہے اور نہ صاحبِ کتاب پر ہے بلکہ مدارِ صحت رجال، رواۃ اور کیفیتِ اسناد پر ہے۔ جس کا حال اچھا وہی اعلیٰ۔ سند بھی حال کے اعتبار سے اعلیٰ بنتی ہے۔ اگر سند اعلیٰ حال کی ہے اور شرائطِ صحت پر پوری اترتی ہے تو یہ اصول حدیث کی تاریخ میں قاعدہ ہی نہیں ہے کہ کسی خاص کتاب میں نہ ہونے کی بنیاد پر سند/حدیث کو چھوڑ دیا جائے۔

صحیحین کا باقی کتب کے ساتھ یہ فرق ہے کہ جب کتابوں کی من جملہ اکثریت و اغلبیت کی بات کریں تو پھر پہلے صحیح بخاری کو حجت نصیب ہوگی اور پھر صحیح مسلم کو حجت نصیب ہوگی۔ مگر اس فرق کا مطلب یہ نہیں کہ باقیوں کو ترک کر دیں۔ اُن کو ترک نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ وہ ان کے شیوخ ہیں۔ کاش اعتراض کرنے والے اُس زمانہ میں ہوتے اور اپنی آنکھوں سے امام بخاریؒ کو ایک شاگرد کے طور پر امام عبدالرزاقؒ کے سامنے گھٹنے ٹیک کے بیٹھے ہوئے دیکھتے، امام مسلمؒ کو امام ابن ابی شیبہؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے دیکھتے اور پھر کہتے کہ میں امام عبدالرزاقؒ اور امام ابن ابی شیبہؒ کی روایت نہیں لیتا بلکہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کی روایت لیتا ہوں تو کیا امام بخاریؒ و امام مسلمؒ معترض کی اس بات کو تسلیم کرلیتے؟ نہیں، ہرگز نہیں بلکہ یہ ائمہ فرماتے کہ نالائق تو عبدالرزاقؒ اور ابن ابی شیبہؒ سے روایت نہیں لیتا، ہم سے لیتا ہے حالانکہ ہم ان ہی سے لے رہے ہیں۔

سمجھانا مقصود یہ ہے کہ یہ اصول کہاں سے آیا کہ روایت اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آجائے تو قبول ہے اور اگر ان ائمہ کے شیوخ کی کتب میں آئیں تو نامقبول؟ یہ معیار نہیں ہے۔ کتاب کا معیار حالِ اسناد ہے۔ اصول یہ ہے کہ اگر اُس

میں شرائطِ صحت پوری ہوتی ہیں بھلا جس بھی کتاب میں آجائے، اُس کا درجہ بلند ہوگا۔ محدثین نے کہا ہے:

فدار الأمر في الرواة على اجتهاد العلماء فيهم وكذا في الشروط. (السيواسي، شرح فتح القدير، ۱/۴۴۵)

رواۃ پر حکم لگانا، علماء و محدثین کا اجتہاد ہے۔

یاد رکھیں! اجتہاد مذہب نہیں ہوتا، اُس سے اختلاف کرنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ افسوس! ہمارے ہاں پاکستان، ہندوستان میں کسی کے اجتہاد سے اختلاف کرنے والا کافر قرار پاتا ہے۔ یہاں کسی کے اجتہاد، فتویٰ تحقیق نہ ماننے پر اسے کافر بنادیتے ہیں، ایک فتوے کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور پورا مسلک اور عقیدہ چھوڑ دیتے ہیں۔ چودہ سو سال میں اہلِ علم کا یہ طریق کبھی بھی نہیں تھا۔ یہ تنگ نظری ہے۔ افسوس! علم رخصت ہوا، جہالت آ گئی اور وہ تعصّبات کو لے آئی۔

امام ابن ہمامؒ نے یہی بات اپنی کتاب **التحرير في أصول الفقه** کی **فصلٌ في التعارض** میں بھی بیان کی ہے۔

ابن قطلو بغا کی تحقیق

امام عسقلانیؒ کے ایک اور شاگرد امام زین قاسم بن قطلو بغاؒ نے شرح نخبۃ الفکر کے اوپر ایک حاشیہ لکھا ہے، اس میں وہ ایک اصول مقرر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأن قوة الحديث إنما هي بالنظر إلى رجاله، لا بالنظر إلى كونه في كتاب كذا. (شرح نخبة الفكر،)

حدیث کی قوت کا فیصلہ کرنا کہ فلاں حدیث سند میں قوی ہے، فلاں غیر قوی ہے، اس کا فیصلہ سند کے رجال کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ اس بات کو دیکھ کر نہیں کیا جاتا کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے۔

ابن حنبلی کی تحقیق

یہی قاعدہ علامہ رضی الدین محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی المعروف ابن حنبلیؒ نے اپنی کتاب **قفو الأثر في صفوة علوم الأثر** میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں کئی علماء کے نام درج کیے ہیں جو اس حدیث صحیح کے مراتب کے باب میں اس عمومی مفہوم کو رد کرتے ہیں کہ صحیح بخاری کی ہر ہر حدیث اعلیٰ ہے اور صحیح مسلم کی ہر ہر حدیث مرتبے میں صحیح بخاری سے ادنیٰ ہے اور انہی ائمہ کی حدیث قبول کی جائے گی کسی اور کتاب کی قبول نہیں کی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ ہی نہیں ہے۔

امیر صنعانی کی تحقیق

امیر صنعانی (صاحب سبل السلام) نے اصول حدیث پر اپنی کتاب **توضيح الأفكار** میں بھی یہی بات کی ہے۔

ان ائمہ نے اپنی کتب کے آخر میں حضرت ابن حجر عسقلانیؒ کے دور تک ان علماء کے ناموں اور ان کے اقوال کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حدیث صحیح کے مراتب کے حوالے سے درست معنیٰ بیان کیا ہے کہ اس کا ایک ایک فرد پر اطلاق نہیں کریں گے بلکہ من جملہ اطلاق درست ہے۔ اس ترتیب کا ''من جملہ کے لحاظ سے'' معنیٰ یہ ہے کہ جب احادیث میں تعارض آ جائے گا تو پھر الگ الگ سند کے ساتھ دیکھا جائے گا۔ اگر تعارض نہ ہو پھر یہ ترجیح قائم رہے گی۔ اگر دو احادیث میں تعارض آ جائے اور ائمہ دونوں کی صحت کا دعویٰ کریں تو پھر اس کا مدار اسناد صحت کی شرائط پر ہوگا۔

اس ساری گفتگو اور حدیث صحیحہ کے مراتب پر مذکورہ بحث کا مقصد یہ بات سمجھانا تھا کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ احادیثِ صحیحہ صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔ اس امر پر ۱۴ سو سال کی تاریخ میں کہیں کسی ایک عالم نے بھی اختلاف نہیں کیا کہ جو حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نہیں ہے، وہ صحیح ہے یا نہیں۔ یہ سوال ہی نہیں اٹھا، اس لیے کہ یہ سوال ہی علم کی تاریخ کا نہیں بلکہ جہالت کا سوال ہے۔ چونکہ سب مانتے تھے کہ حدیث کی صحت کا مدار حدیث کی سند پر ہے، کتاب پر نہیں، لہٰذا یہ بحث ختم ہوگئی۔ اب بحث صرف اس بات پر ہے کہ ''اصح'' کون سی حدیث ہے؟

(جاری ہے) ❁❁❁❁❁❁

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

ذکرِ الٰہی، دعا، نماز، صدقہ

وباؤں اور آفات سے نجات کا نسخہ کیمیاء

بعض جید علماء وباء کے خاتمے کے لئے اذان دینے کو مستحب قرار دیتے ہیں

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کسی وبائی مرض کو دفع کرنے کے لیے اذان دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے لوگوں کو نماز کسوف پڑھانے کے بعد خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا، وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا

سورج اور چاند دونوں اللہ کی نشانیاں ہیں اور کسی کی موت وحیات سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم گرہن لگا ہوا دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الکسوف، رقم الحدیث: ۱۰۴۴)

درج بالا حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی غیر طبعی واقعہ یا کوئی حادثہ پیش آنے پر، مصیبت کا شکار ہونے پر یا کوئی وباء پھیلنے پر اہلِ اسلام کو چار امور کا انفرادی یا اجتماعی طور پر اہتمام کرنا چاہیے، یہ چار امور درج ذیل ہیں:

۱۔ ذکرِ الٰہی ۲۔ دعا

۳۔ نماز ۴۔ صدقہ

جناب امیرُ المومنین و المسلمین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ مجھے حضور سیّدِ عالم ﷺ نے غمگین حالت میں دیکھا تو ارشاد فرمایا:

يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ إِنِّي أَرَاكَ حَزِينًا فَمُرْ بَعْضَ أَهْلِكَ يُؤَذِّنُ فِي أُذُنِكَ فَإِنَّهُ دَرْءُ الْهَمِّ.

اے ابو طالب کے بیٹے! میں تجھے غمگین پاتا ہوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے، اذان غم وپریشانی کی دافع ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح باب الاذان، جلد۲، ص:۱۴۹)

اذان کی مشروعیت اصلاً نماز کے اعلان کے مقصد سے کی گئی ہے، البتہ بعض دیگر کاموں کے لیے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے مثلاً نومولود کے کان میں اذان دینے کا حکم یا آگ زنی کے وقت اذان دینے کی ترغیب وغیرہ۔ فقہائے شوافع کے ہاں مصائب، شدائد اور عمومی پریشانیوں کے بعض مواقع پر اذان دینے کی اجازت منقول ہے، اس لیے وبا کے خاتمے کے لیے بطور علاج اذان دینے کی گنجائش ہے۔ بعض علماء وباء کے خاتمے کے لیے اذان دینے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اور مفتی امجد علی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں کہ:

وبا کے زمانے میں اذان دینا مستحب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۵، ص ۳۷۰)

(بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ سوم، ص ۴۶۶)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مصیبت و پریشانی اور وباء و بلاء کے وقت اذان دینا مستحب عمل ہے، اس کے سنت یا لازم و ضروری امر ہونے کا اعتقاد نہیں ہونا چاہیے۔ کرونا وائرس کی

موجودہ وباء کے خاتمے کے لیے بھی اگر کوئی مسلمان علاج معالجے اور دعا کے ساتھ اذان کی تدبیر بھی اختیار کرتا ہے تو یہ مستحب عمل ہے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے اس ذکر کی برکت سے موجودہ آفت کو ٹال دے اور خوف و ہراس کا خاتمہ ہو جائے۔ البتہ دین اسلام کی تعلیمات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ وباء کے خاتمے کے لیے محض اذان پہ انحصار کیا جائے، چنانچہ وباء کی صورت میں احتیاطی تدابیر اور علاج معالجہ کیلئے متداول علم الطب کے اصولوں کی پاسداری بھی عین شرعی تقاضا ہے۔

(نوٹ: اگرچہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم والی روایت کی سند میں ضعف ہے تاہم جو علماء اس سے وباء کے خاتمے کے لیے اذان دینے کا استدلال کرتے ہیں وہ ایسے وقت اذان دینے کو مستحب گردانتے ہیں اور کسی شئے کے استحباب کے ثبوت کے لیے ضعیف حدیث کفایت کرتی ہے۔)

سوال: ہنسی مذاق اور شرارت میں دی گئی تکلیف کا کیا حکم ہے؟

جواب: دینِ اسلام فطری دین ہے، جس نے انسان کی فطری خواہش کے عین مطابق حدود و قیود کے ساتھ ہنسی مزاح کی اجازت دی ہے۔ مزاح، زندہ دلی وخوش طبعی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے، اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہو جانا نازیبا اور مضر ہے، اسی طرح اس لطیف احساس سے آدمی کا بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ جو بسا اوقات انسان کو خشک بنا دیتا ہے۔ بسا اوقات ہجولیوں اور ہمنشینوں اور ماتحتوں کے ساتھ لطیف ظرافت ومزاح کا برتاو ان کے لیے بے پناہ مسرت کے حصول کا ذریعہ اور بعض اوقات عزت افزائی کا باعث بھی ہوتا ہے۔ مزاح انسانی فطرت کا لازمہ ہے اور اس کے جواز پر بیشار دلائل موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی مزاح فرماتے تھے لیکن آپ کا مزاح بھی ایسا ہوتا کہ جس میں نا تو جھوٹ ہوتا تھا اور نا اس سے کسی کی دل آزاری ہوتی۔ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے خوش طبعی اور مزاح فرمایا ہے، خشک مزاجی آپ ﷺ کو پسند نہیں تھی، آپ نہیں چاہتے تھے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے مزاج و طبیعت کو ہمیشہ خشک اور بے لذّت بنائے رکھیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی، لیکن آپ ﷺ کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا، قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: فَإِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا.

میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا، بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے مزاح بھی فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔ (أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۴۰، الرقم: ۸۴۶۲)

لیکن سوال مسؤ ولہ کیونکہ مزاح کے جواز و عدمِ جواز کے بارے میں نہیں بلکہ اس کی حدود کے متعلق ہے اس لیے اسی کا جواب زیرِ بحث لاتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيۡرٗا مِّنۡهُنَّۖ وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِۖ بِئۡسَ ٱلِٱسۡمُ ٱلۡفُسُوقُ بَعۡدَ ٱلۡإِيمَٰنِۚ وَمَن لَّمۡ يَتُبۡ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ. (الحجرات، ۴۹: ۱۱)

’’اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخُر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے، اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں‘‘۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مزاح کے آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ.

اپنے بھائی کو ہنسی مذاق کر کے ناراض نہ کرو اور اسے اذیت نہ دو، اور نہ اس سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرو۔

(ترمذی، السنن، کتاب: البر والصلۃ، باب: ما جاء فی المراء ۴/ ۳۵۹، الرقم: ۱۹۹۵)

درج بالا آیت و روایت سے معلوم ہوا کہ ایسی دل لگی اور مزاح جس میں کسی دل شکنی اور ایذاء رسانی کا کوئی پہلو نہ ہو اور نہ اس کی نیت ہو تو شریعت میں تفریح طبع کے طور پر اس کی اجازت ہے۔ اس کے برعکس ایسا مزاح جس میں طنز کرنے، مذاق اڑانے، عزتِ نفس مجروح کرنے، فحش گالیاں دینے، فحش گوئی کرنے وغیرہ کے پہلو شامل ہوں شرعِ اسلامی میں ممانعت ہے اور اس کا مرتکب گناہگار ہے۔ اگر کوئی شخص درج بالا ممنوع امور کا مرتکب ہوا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے، اس کے مزاح سے جن لوگوں کی دل آزاری ہوئی ہے اگر وہ زندہ ہیں تو ان سے بھی معافی مانگی جائے اور ان میں سے جو فوت ہو چکے ہیں ان کا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ آئندہ ایسے مزاح سے اجتناب کرے۔

سوال: کیا اعضائے وضو کو کپڑے سے خشک کرنا مکروہ ہے؟

جواب: جن روایات کے بارے میں سائل نے دریافت کیا ہے اولاً وہ ملاحظہ ہوں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا بَعْدَ الْوُضُوءِ.

رسول اللہ ﷺ کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس کے ساتھ وضو کے بعد اعضائے وضو پونچھا کرتے تھے۔

(ترمذی، السنن، کتاب أبواب الطہارۃ، باب ما جاء فی التمندل بعد الوضوء، ۱: ۷۴، الرقم: ۵۳)

دوسری روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ. (ایضاً)

میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا جب آپ وضو فرماتے، کپڑے کے کنارے سے (اعضاء کو) خشک فرماتے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان روایات کو نقل کیا ہے اور پھر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ، وَرِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ الْأَفْرِيقِيُّ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيثِ، وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ فِي التَّمَنْدُلِ بَعْدَ الْوُضُوءِ، وَمَنْ كَرِهَهُ إِنَّمَا كَرِهَهُ مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ قِيلَ: إِنَّ الْوُضُوءَ يُوزَنُ وَرُوِيَ ذَلِكَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَالزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، قَالَ: حَدَّثَنِيهِ عَلِيُّ بْنُ مُجَاهِدٍ عَنِّي، وَهُوَ عِنْدِي ثِقَةٌ، عَنْ ثَعْلَبَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: إِنَّمَا كُرِهَ الْمِنْدِيلُ بَعْدَ الْوُضُوءِ لِأَنَّ الْوُضُوءَ يُوزَنُ.

یہ حدیث غریب ہے اس کی سند ضعیف ہے اور رشدین ابن سعد اور عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی (دونوں) حدیث میں ضعیف ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث قوی نہیں اور اس باب میں حضور نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات ثابت نہیں۔ ابو معاذ سے مراد سلیمان بن ارقم ہے اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ بعض صحابہ کرام اور تابعین نے وضو کے بعد کپڑے سے خشک کرنے کی رخصت دی ہے البتہ مکروہ کرنے والوں کے نزدیک علتِ کراہت یہ ہے کہ کہا جاتا ہے وضو کا وزن کیا جائے گا اور یہ بات حضرت سعید بن مسیّب اور امام زہری سے مروی ہے۔ امام زہری کہتے ہیں میں اس لیے وضو کے بعد کپڑے کا استعمال مکروہ جانتا ہوں کہ وضو کا وزن کیا جائے گا۔

(ترمذی، السنن، کتاب أبواب الطہارۃ، باب ما جاء فی التمندل بعد الوضوء، ۱: ۷۵، ۷۶، الرقم: ۵۴)

مذکورہ بالا راویات مع تبصرہ سے معلوم ہوا کہ اعضائے وضو کو خشک کرنے والے کپڑے کا بروز قیامت نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جانا ثابت نہیں ہے، یہ کسی کا قول ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس لیے کسی قول کو دلیل بنا کر اعضائے وضو کو کپڑے سے خشک کرنے کی کراہت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ مزید برآں سائل کا یہ کہنا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اعضائے وضو کو کپڑے سے خشک کرنا مکروہ قرار دیا ہے، ہمیں امام صاحب کا ایسا کوئی قول نہیں ملے۔ اگر سائل کو ملے تو ہمارے علم میں بھی اضافہ کر دے۔ ❁❁❁❁❁

سیدنا عمر فاروقؓ: علم و عرفاں اور شجاعت کے پیکر

آپ ﷺ نے فرمایا یا الٰہی عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو غلبہ و دبدبہ نصیب فرما

آپ کی شخصیت میں علمی جلالت، جسمانی وجاہت کی صفات من جانب اللہ ودیعت کی گئی تھیں

یکم محرم الحرام یومِ وصال کی مناسبت سے خصوصی تحریر

ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی

حضرت عمر فاروقؓ تاریخ اسلام کا ایک ایسا روشن ستارہ ہیں جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپؓ قبیلہ عدی سے منسلک ہیں، جن کے جدِ اعلیٰ حضرت کعب بن لؤی قبیلہ قریش کے بھی جد اعلیٰ ہیں۔ اس مناسبت سے آپکا شجرہ نسب نویں پشت میں حضور ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپؓ کا خاندان شرف و نیابت اور عظمت و توقیر میں انتہائی اونچا مقام و مرتبہ رکھتا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ اسلام لے آئے تو اہل مکہ کے سرداران کہنے لگے:

اَلْيَوْمَ قَدِ انْتَصَفَ الْقَوْمُ مِنَّا

آج کے دن ہماری قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔

اس کی بنیادی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ کا تعلق مکہ کے ایک ایسے قبیلے سے تھا جس کو اپنی شان و شوکت اور تمکنت کے باعث بین القبائلی سفارت اور تسلیم شدہ حکم اور ثالث ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ ایسے اونچے قبیلے سے کسی شخص کا اسلام لانا، بدیہی طور پر اسلام کی تقویت اور اس کے رعب و دبدبے میں اضافے کا باعث تھا۔

آپؓ کو صرف قبائلی برتری ہی نصیب نہ تھی بلکہ آپؓ کی شخصیت میں من جانب اللہ ودیعت کی گئی عقلی سلامت، علمی جلالت، جسمانی وجاہت، بلند و بالا قامت جیسی صفات کی وجہ سے مکہ کے بڑے بڑے سپوت آپؓ کے سامنے ڈھیر ہوتے نظر آتے تھے۔ آپ کو سپہ گیری کے فن پر تو جو مہارت تھی وہ تھی ہی، علاوہ اس کے آپ خوب بہادر پہلوان بھی تھے۔ قد و کاٹھ کی ہیبت کے سبب آپ ہمیشہ سب میں نمایاں نظر آتے۔ جب آپؓ میلہ عکاظ کے اکھاڑوں میں اترتے تو حریفوں کو پچھاڑ کر رکھ دیتے اور اپنی جسمانی قوت اور شہ زوری کا لوہا منواتے۔

قبولِ اسلام

نگاہِ نبوت سے اس گوہرِ نایاب کی صفات مخفی نہ تھیں۔ اس حق شناس طبیعت اور عقلِ سلیم رکھنے والے جرار و بہادر انسان کو جب دعائے نبوی کا سہارا ملا، تو فوراً مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس راہِ حق کے متلاشی کو حق کی راہ بصدقہ و بوسیلہ نبوی میسر ہوئی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب حضور نبی رحمت ﷺ نے نگاہ نبوت سے یہ بھانپ لیا کہ عمر دینِ حق کی تبلیغ اور اس کی تائید و نصرت میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے تو بارگاہِ الٰہی میں دامن طلب پھیلا دیا۔ فرمایا:

أَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب

الٰہی عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو غلبہ و دبدبہ نصیب فرما۔

دعائے نبوت کا وسیلہ تھا کہ اللہ رب العزت نے حضرت عمر فاروقؓ کے دل کی کایا پلٹ ڈالی اور انہیں بارگاہِ محمدی میں پہنچا دیا۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور نبی مکرم ﷺ نے اپنا دستِ فیض رساں تین دفعہ سینے پر مار کر یہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ أَخْرِجْ مَا فِي صَدْرِهِ مِنْ غِلٍّ وَأَبْدِلْهُ إِيْمَانًا.

اے اللہ عمر کے سینے کی کدورت نکال دے اور اسے نورِ ایمان سے بدل دے۔

دعائے محمدی قبول ہوئی، حضرت عمر فاروقؓ کی قسمت جاگ اٹھی، آپ کا سینہ نور ایمان سے روشن ہوگیا اور خدا نے بدعائے محمد ﷺ آپ کے سینے سے ہر طرح کا غل اور کدورت دور فرما دی۔

قارئین محترم! یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اگر کوئی

حضرت عمر فاروق ﷺ کی طرف کوئی ایسا قول وفعل منسوب کرتا ہے جو کسی کے دل کے میل کچیل پر دلالت کرے، تو ایسا قول وفعل کم از کم سیدنا عمر فاروق ﷺ کے حق میں بے اصل و بے بنیاد ہوگا۔ کیونکہ دعائے محمدی ﷺ کے طفیل ہر طرح کی کدورت سیدنا عمرؓ کے دل سے خارج ہوچکی۔

حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ آپکا اسلام لانا اتنا بابرکت تھا کہ اس کی خوشی صرف زمین پر موجود اہلِ اسلام ہی کو نہ تھی بلکہ اس خوشی میں آسمانی نورانی دنیا بھی شامل ہوئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

اِسْتَبْشَرَ أَهْلُ السَّمَاءِ بِإِسْلَامِ عُمَرَ

آسمان میں بسنے والے (ملائکہ بھی) حضرت عمر کے اسلام لانے پر بے حد خوش ہوئے۔

یوں مرادِ رسول برحق ہوئی اور پھر وہی ہوا جس کے سبب حضور نبی رحمت ﷺ نے حضرت عمر فاروق ﷺ کے لیے اسلام کی دعا مانگی تھی۔ اسلام کو اللہ نے حضرت عمر فاروق ﷺ کی بدولت ایسی تقویت بخشی کہ جس کی تاریخِ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

علمی مقام و مرتبہ

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رَأَيْتُ كَأَنِّي أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ فَأَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس میں سے پی کر اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دے دیا۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول اس کی کیا تعبیر ہے؟ فرمایا: العلم، اس سے مراد علم ہے۔

لہٰذا اس حدیث سے خوب واضح ہوگیا کہ حضرت عمرؓ کو جس ظاہری و باطنی علم سے نوازا گیا وہ نسبتِ محمدی ﷺ کے طفیل ملنے والے فیض کا نتیجہ ہے اور آپ کا علم، علمِ محمدی کے تابع تھا۔ اسی نسبتِ محمدی کی برکت تھی کہ آپ کے علم کو تائیدِ الٰہی بھی نصیب ہوئی، جس پر بیّن ثبوت کئی مقامات پر آپ کی رائے کا وحی الٰہی سے موافقت رکھنا ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں:

كَانَ عُمَرُ إِذَا رَأَى الرَّأْيَ نَزَلَ بِهِ الْقُرْآنُ

سیدنا عمر فاروق جب کوئی رائے دیتے تو اس کے مطابق قرآن نازل ہو جاتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے:

وَلَوْ أَنَّ عِلْمَ عُمَرَ وُضِعَ فِي كَفَّةِ الْمِيزَانِ وَوُضِعَ عِلْمُ أَهْلِ الْأَرْضِ فِي كَفَّةٍ لَرَجَحَ عِلْمُهُ بِعِلْمِهِمْ

اگر عمر کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام اہلِ زمین کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً عمر کا علم ان سب کے علم پر بھاری ہوگا۔

فتوحاتِ فاروقی

یہ تو تھا حضرت عمر کو نوازا جانے والا علم اور اس علم کی ثقاہت اور اس کا صائب ہونا۔ رہی بات آپ کی فتوحات اور اسلامی ریاست میں وسعت کا سبب بننا، تو اس کے اشارے بھی سرورِ کونین حضور نبی رحمت ﷺ پہلے سے فرما چکے تھے۔ ہم یہاں اس کے کچھ نظائر پیش کیے دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

قال رسول الله ﷺ رَأَيْتُ فِيمَا يَرَى النَّائِمُ كَأَنِّي أَنْزِعُ أَرْضًا، وَرَدَتْ عَلَيَّ وَغَنَمٌ سُودٌ، وَغَنَمٌ عُفْرٌ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ... ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَنَزَعَ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَمَلَأَ الْحَوْضَ وَأَرْوَى الْوَارِدَةَ، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا أَحْسَنَ نَزْعًا مِنْ عُمَرَ، فَأَوَّلْتُ أَنَّ السُّودَ الْعَرَبُ وَأَنَّ الْعُفْرَ الْعَجَمُ

فرمایا: میں نے خواب دیکھا گویا میں ایک زمین سے جس میں مجھ پر کالی اور سرخی مائل سفید بکریاں وارد ہوئیں، پانی کے ڈول نکال رہا ہوں۔ پھر ابوبکر آئے۔۔۔ پھر عمر آئے پس انہوں نے بھی ڈول نکالے تو وہ ڈول ان کے ہاتھ میں بڑے ڈول میں تبدیل ہوگیا۔ پھر آپ نے حوض بھر دیا اور وارد ہونے والی سب کی سب بکریوں کو سیراب کر دیا۔ اور میں نے کسی کو عمر سے بڑھ کر ڈول نکالنے والا نہیں دیکھا۔ اور میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ سیاہ بکریوں سے مراد عرب اور سرخی مائل سفید بکریوں سے مراد عجم ہیں۔

قارئین محترم! علمِ نبوی ﷺ میں یہ بات موجود تھی کہ عمر فاروق ﷺ کے سبب اللہ اسلامی ریاست کو فتوحات سے نوازے گا۔ اور یہ فیض عہدِ عمر میں عرب و عجم تک منتقل ہوگا۔ فرمان عالی شان: فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا أَحْسَنَ نَزْعًا مِنْ عُمَرَ اس بات کا شعور پیدا کرتا ہے کہ عمر سے بہتر مہارت سے یہ کام کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق ﷺ کی خداداد صلاحیتوں اور آپ کی شخصیت کی جامعیت کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں عراق، مصر، لیبیا، شام، ایران، خراسان، مشرقی اناطولیہ (ایشیائے کوچک، مغربی ایشیا کا جزیرہ نما)، جنوبی آرمینیا اور سجستان کی سرزمین فتح ہوئیں۔ مملکت اسلامیہ کا رقبہ بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس (22,51,030) مربع میل پر پھیل گیا۔

آپؓ کی خلافت کے مبارک دور میں پہلی مرتبہ یروشلم فتح ہوا اور یوں ساسانی (چوتھی ایرانی اور دوسری فارسی) سلطنت کا مکمل رقبہ جبکہ بازنطینی (مشرقی رومی) سلطنت کا تقریبا تہائی حصہ اسلامی سلطنت کے زیر نگیں آ گیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے مہارت، شجاعت اور عسکری صلاحیت سے اپنی سلطنت و حدودِ سلطنت کا انتظام، رعایا کی جملہ ضروریات کی نگہداشت اور دیگر امورِ سلطنت کو جس خوش اسلوبی اور مہارت و ذمہ داری کے ساتھ نبھایا وہ ان کی عبقریت کی دلیل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام کی ان برکات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنْ كَانَ إِسْلَامُ عُمَرَ لَفَتْحًا، وَإِمَارَتُهُ لَرَحْمَةً، وَاللهِ مَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نُصَلِّيَ بِالْبَيْتِ حَتَّى أَسْلَمَ عُمَرُ، فَلَمَّا أَسْلَمَ قَابَلَهُمْ حَتَّى دَعُوْنَا فَصَلَّيْنَا۔

جناب عمرؓ کا اسلام فتح مبین، آپ کی ہجرت نصرت خداوندی اور رحمتِ ایزدی تھی۔ اس سے پہلے ہم بیت اللہ میں نماز پڑھنے کے حق سے محروم تھے۔ جناب عمرؓ نے بزورِ بازو یہ حق حاصل کیا اور ہم نے بیت اللہ میں آزادی سے نماز پڑھی۔

سیدنا عمر فاروقؓ کو حاصل ہونے والی یہ فتوحات در اصل فتوحاتِ محمدی ہی کا تسلسل تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت سے بھی بہت پہلے سے حضرت عمرؓ کی ان خداداد صفات کو بھانپ چکے تھے۔ یہ سب فیضِ محمدی ہی کی بدولت ممکن ہوا۔

کم وبیش بارہ سال فتوحات کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ عہدِ فاروقی میں جس کمال نظم سے حضرت عمرؓ نے ریاستی انتظامات چلائے وہ قیامت تک کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپؓ کے فضائل اور آپؓ کی شخصیت کا ارشاداتِ نبوی کی روشنی میں تفصیلی مطالعہ کرنے کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف ''اَلْقَوْلُ الصَّوَاب فِي فَضَائِلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب'' کا مطالعہ کریں۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی منفرد تصنیف ہے۔

شہادت

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بعد میں آنے والوں کے لیے بہت سی مثالیں قائم کیں۔ حتی کہ آپ کے بحضور الہ پیش ہونے کا وقت قریب آ گیا۔ حضرت عمر یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيْلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُوْلِكَ .

اے اللہ مجھے اپنے رستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت نصیب فرما۔ اور ایسا ہی ہوا۔

آپؓ کی شہادت کا واقعہ یوں ہے کہ جب اس دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ پھیلا تو مدینہ میں بھی دیگر مقامات کی طرح عجمی غلاموں کا تانتا بندھ گیا۔ قیدی کی حیثیت سے آنے والے ان لوگوں میں سے کچھ تو مسلمانوں کے خلوص اور حیرت انگیز ایثار سے متاثر ہو کر اسلام لے آتے اور کچھ عجمی غلام جنھوں نے اگرچہ اسلام قبول نہ کیا تھا مگر مسلمانوں کی فراخ دلی وفیاضی اور حسنِ سلوک سے متاثر ہوتے اور ان سے وفادار رہتے ان کو مسلمانوں کا غلام بن کر رہنے سے وہ آزادی میسر تھی جو دوسری قوموں کے خستہ حال آزاد لوگوں کو بھی میسر نہ تھی۔ کیونکہ سب طبائع ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ لہذا مسلمانوں کے احسانات کے باوجود کچھ ناقدر سوختہ نصیب ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے مسلمانوں کی شرافت اور نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ ان میں سے ایک حضرت مغیرہ کا غلام ابولؤلؤ بھی تھا۔

ابولؤلؤ ایک تندخو، ظالم وجفا کار سفاک غلام تھا۔ اس کے مالک حضرت مغیرہ نے اسے مکمل آزادی دی ہوئی تھی۔ یہ انہیں فقط ایک دینار کما کر دیتا۔ مختلف فنون میں ماہر اور اعلی درجے کا کاریگر ہونے کے باعث روزانہ کئی دینار کما لینا اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہ تھا مگر اس کی بری فطرت اتنا معمولی سا خراج ادا کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھی۔ ایک روز جناب فاروق اعظمؓ بازار کا جائزہ لے رہے تھے کہ ابولؤلؤ سامنے آ گیا اور کہا کہ مغیرہ سے کہیے کہ وہ میرے خراج میں تخفیف کر دے، میں ایک دینار یومیہ ادا نہیں کر سکتا۔ آپؓ نے اس کی

مہارت اور ہنرمندی کی تفصیلات سن کر جواب دیا تم ایک ماہر کاریگر ہو، کئی دینار کما کر ایک دینار اپنے مالک کو دے دینا تمہارے لیے کچھ مشکل نہیں۔ اس لیے تمہاری سفارش نہیں کرسکتا۔

معقول بات تسلیم کرنے کی بجائے ابولؤلؤ دانت پیس کر رہ گیا اور اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔ وہ انتقامی کارروائی کے لیے گھات میں بیٹھ گیا۔ آپ حسب معمول فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد تشریف لائے۔ عموماً سورۃ نحل کی تلاوت فرمایا کرتے تاکہ نمازی جماعت میں شریک ہوسکیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے نیت باندھی تو ابولؤلؤ نے گھات سے نکل کر دو دھاری خنجر کے ساتھ آپ پر حملہ کر دیا۔ پیٹ مبارک میں خنجر دور تک اتر گیا اور آنتیں کاٹ دیں۔ ابولؤلؤ اپنا کام کر کے وحشی دیوانے کی طرح نماز میں کھڑے نمازیوں کو زخمی کرتا ہوا پلٹا۔ تیرہ غازی اس کے خنجر کی زد میں آئے اور چھے موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ ایک آدمی نے چادر پھینک کر ابولؤلؤ کو بے بس کر دیا۔ اس نے وہی خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لی۔ یہ تاریخی المیہ اس سرعت سے ظہور پذیر ہوا کہ اگلی صفوں میں کھڑے چند آدمیوں کے سوا کسی کو پتا چل سکا اور نہ ہی ان قدسی صفات حضرات نے نماز توڑی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر نماز کے لیے آگے کیا۔ انہوں نے جلد نماز پڑھائی پھر امیر المومنین کی طرف متوجہ ہوئے۔ زخم اتنے گہرے تھے کہ جانبر ہونے کا امکان کم تھا۔

گھر لا کر کھجور کا پانی پھر دودھ پیش کیا مگر وہ زخموں کی راہ نکل گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر سب کے کلیجے زخمی ہوگئے۔ آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جاؤ اور کہو کہ عمر بن خطاب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حجرے میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو احسان ہوگا۔ حضرت عبد اللہ گئے، اجازت طلب کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زارو قطار رو رہی تھیں۔ جب درخواست پیش کی تو بولیں: یہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی۔ لیکن آج میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔

یہ خوشخبری لے کر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ آئے تو آپ کا چہرہ انور کھل اٹھا جیسے دولتِ کونین پا لی ہو۔ فرمایا: خدا کا شکر کہ یہ مسئلہ حل ہوگیا۔

ان نازک لمحات میں بھی آپؓ نے امت کی فلاح کو نظر انداز نہ کیا۔ اپنے مقرر حکومتی نمائندگان کو وعظ و نصیحت کی، چھ رکنی جماعت مقرر کی کہ مسلمان ان میں سے اپنا امیر چن لیں۔ ہر طرف سے فارغ اور مطمئن ہو کر آپ نے اپنی جان خالق کائنات کے سپرد کر دی۔

تجہیز و تکفین کی رسومات ادا کی گئیں۔ اور آپ کو چار پائی پر لٹا دیا گیا۔ ہجوم یاراں میں کسی نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بڑے ہی مغموم لہجے میں کہا:

يَرْحَمُكَ اللهُ، إِنِّي كُنْتُ لَأَرْجُو أَنْ يَجْعَلَكَ اللهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ لِأَنِّي كَثِيرًا مَا أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ يَقُولُ: كُنْتُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَفَعَلْتُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَانْطَلَقْتُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَالْتَفَتَ فَإِذَا هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ

اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ خدا آپ کو دونوں دوستوں کے پہلو میں جگہ دے گا۔ کیونکہ میں اکثر حضور ﷺ سے سنا کرتا تھا آپ بیک وقت تینوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یعنی میں اور ابوبکر اور عمر، میں اور ابوبکر اور عمر نے یہ کہا۔ میں اور ابوبکر اور عمر گئے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تریسٹھ برس عمر پائی اور یوں افقِ عالم پر روشن یہ ستارہ ہجرت کے تئیسویں سال یکم محرم الحرام کو خالق حقیقی سے جا ملا۔

قارئین گرامی قدر! حضور ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ ایمان حضور ﷺ کی نسبت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرامؓ اور تمام اہل بیتؓ سے بھی محبت کریں۔ ابن سیرین فرمایا کرتے:

مَا أَظُنُّ رَجُلًا يَنْتَقِصُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يُحِبُّ النَّبِيَّ

میں کسی شخص کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے محبت بھی کرے اور (اس کے باوجود) حضرت ابو بکر و عمر کی تنقیص کرتا ہو۔ اللہ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم آمین بجاہ سید المرسلین۔

محبوب اشیاء کی قربانی معرفت و قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ

مال سے محبت ہو تو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اگر وقت قیمتی ہے تو وقت خرچ کرو

جب اللہ کی راہ میں کچھ دینے لگیں تو سوچ لیا کریں ہماری اصل محبوب شے کیا ہے؟

صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی

فلسفۂ شہادتِ امام حسینؓ کے موضوع پر ایمان افروز گفتگو

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْئٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِیْمٌ. (آل عمران، ۳: ۹۲)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے‘‘۔

عموماً یہ آیت مبارکہ صدقہ و خیرات کے تصور کو واضح کرنے اور اُس کی ترغیب کے لیے بیان کی جاتی ہے۔ یقیناً یہ مسئلہ اور نکتہ بھی اِس سے نکلتا ہے لیکن اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ یہاں پر فقط مال خرچ کرنے کی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس معاملہ کو optional (اختیاری) قرار دیا ہے بلکہ دوٹوک الفاظ میں فرمایا جارہا ہے کہ تم ہرگز نیکی نہیں پا سکو گے اگر محبوب اشیاء میں سے تم نے خرچ نہ کیا۔ لہذا جہاں بات کا اسلوب اس طرح کا ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بات صرف مال کے خرچ کرنے کی ہے؟ اس لیے کہ جس کے پاس مال نہیں ہے پھر اُس پر اِس حکم کا اطلاق کیسے ہوگا اور وہ نیکی کو کس طرح پا سکے گا؟

اِس آیت مبارکہ کا اطلاق ہر شخص پر مختلف ہوسکتا ہے، اِس لیے کہ یہاں عمومی اصطلاح استعمال کی کہ اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ کرو یعنی وہ چیزیں جن سے تم پیار کرتے ہو، جو تمہارے دل کے بہت قریب ہیں، جو تم سے دور جائیں تو تمہارے دل کو تکلیف پہنچے، جو تمہارے پاس نہ ہوں تو تمہیں خالی پن اور نقصان محسوس ہوتا ہے، اُس میں سے خرچ کرو گے تو نیکی پاؤ گے۔ اگر اُس میں سے خرچ کرتے رہو گے جو تمہارے دل کے بہت زیادہ قریب نہیں ہے اور جن سے جدائی تمہیں زیادہ تکلیف نہیں دیتی تو اس پر اجر تو ضرور ملے گا کیونکہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے لیکن نیکی کی حقیقت کو پانے کا وعدہ نہیں ہے۔ یہ وعدہ تب ہے کہ اگر تم اُس شے میں سے خرچ کرو کہ جس کے خرچ کرنے پر تمہارے دل کو کچھ ہو۔ اس بات کو چند مثالوں سے سمجھتے ہیں:

۱۔ کسی مالدار شخص کو دین کے کام میں تعاون کے لیے کہا جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں مالی طور پر تو تعاون کرسکتا ہوں مگر میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اب اِس آیت کے مطابق اِس بندے کے کیس میں اُس کی قیمتی شے مال نہیں ہے، اس لیے کہ مال تو یہ بآسانی دے رہا ہے، اُس کے لیے قیمتی شے اُس کا وقت ہے، جس کو دینے سے اس کے دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اب اِس بندے کو نیکی کی حقیقت مال دینے سے نہیں بلکہ اپنا وقت دینے سے ملے گی کیونکہ جو شے اُس کی نگاہ میں قیمتی ہے، اُسے دے گا تو نیکی کی حقیقت پائے گا۔

ہمارے ہاں دین کا تصور ہی مختلف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے دین کی خدمت، فروغ اور تبلیغ کے لیے کسی بھی صورت میں پیسے خرچ کر دیئے تو یہ بہت ہوگیا، ہم نے دین کا بڑا فریضہ سرانجام دے دیا جبکہ ہوسکتا ہے کہ ان پیسوں کی ہمارے ہاں وقعت ہی نہ ہو، مہینے کا پانچ، سات سو دینے سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو لیکن دوسری طرف وقت دینا ہمارے لیے بہت

مشکل ہوتا ہو۔ اب اس صورت میں اللہ رب العزت کے نزدیک ہماری محبوب شے ہمارا مال نہیں ہے بلکہ وقت ہے جس کو دینے کے لیے ہم ہچکچا رہے ہیں۔ لہذا جو چیز زیادہ عزیز ہے، اسے خرچ کرنے سے نیکی کی حقیقت ملے گی۔ اِسی لیے تو اِس آیت کے اگلے حصے میں اللہ رب العزت فرما رہا ہے کہ ’’فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ‘‘ یہ نہ سمجھنا کہ جس نیت سے دے رہے ہو، مجھے پتہ نہیں ہے، میں خوب جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟ لہذا دیکھ بھال کے ساتھ، صحیح نیت سے دینا تب نیکی کی حقیقت کو پاؤ گے۔

۲۔ کئی افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے نہ وقت کی اہمیت ہوتی ہے اور نہ مال کی اہمیت ہوتی ہے مگر ان کے لیے اپنے عہدے، رتبے اور سوشل اسٹیٹس کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ اُس پر compromise نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ مجھ سے پیسہ لے لو، وقت لے لو لیکن اگر میرا سوشل اسٹیٹس متاثر ہوا اور مجھے تقریب/ پروگرام/ مجلس/ میٹنگ/ مشاورت میں عزت (Respect) نہ ملی تو پھر میں نہیں آؤں گا۔ اگرچہ یہ پروگرام فروغِ دین ہی کے تناظر میں کیوں نہ ہو۔

گویا یہ due respect اُس کی محبوب شے ہے۔ وہ اسے اللہ کی بارگاہ میں قربان کرے گا تو اُسے نیکی کی حقیقت ملے گی، بصورت دیگر وہ کبھی نیکی کی حقیقت کو حاصل نہیں کر پائے گا۔ اِس لیے کہ جس کی نگاہ میں جس چیز کی وقعت و اہمیت ہے، اگر وہ اسے قربان کرتا ہے تب جاکر وہ نیکی کی حقیقت کو پا سکے گا۔

لوگوں کے مختلف احوال ہیں، اس لیے ایک فارمولے کا اطلاق ہر شخص پر نہیں کر سکتے۔ کسی کے پاس پیسوں کا انبار ہے اور وہ لاکھوں خرچ کر کے بھی اس مقام اور رتبے کو نہیں پا سکتا جو رتبہ و مقام اپنے وقت میں سے ایک گھنٹہ دینے والا یا اپنے سوشل سٹیٹس کو قربان کرنے والا حاصل کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ مالدار کے نزدیک محبوب شے مال نہ تھا جبکہ موخر الذکر افراد نے اپنی محبوب شے (وقت اور سٹیٹس) کی قربانی دی۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کی حقیقت کی جو قیمت مقرر کی ہے وہ محبوب شے کی قربانی ہے۔ مالدار شخص کی محبوب شے مال کے علاوہ کچھ اور تھی اور اُس نے تھوڑی کم محبوب شے یعنی مال کو کثرت سے دیا مگر اصل محبوب شے اللہ کی راہ میں دینے سے قاصر رہا۔

۳۔ علماء کے نزدیک اُن کی محبوب شے علم اور اُن کا اپنا نظریہ ہے جسے وہ زندگی بھر محنت کرکے بناتے ہیں۔ اسی طرح کئی بار اُن کی محبوب شے اُن کی following اور اُن کی شہرت ہوتی ہے۔ علماء نیکی کی حقیقت تب ہی پاسکیں گے جب وہ اپنے علم اور نظریات کو نصرتِ دین، فروغِ دین، تجدید و احیاء اسلام کے لیے کسی لالچ اور طلبِ شہرت کے بغیر صدق و اخلاص سے خرچ کریں گے۔

ان مثالوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ کی راہ میں کچھ دینے لگیں تو سوچ لیا کریں کہ ہماری اصل محبوب شے کیا ہے؟ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آج دین کو وقت دینا ہے یا صرف پیسے دینے ہیں؟ اگر وقت دینا ہے اور وہی ہمارے پاس نہیں ہے تو سمجھو یہی سب سے قیمتی شے ہے۔ اگر کسی بندے کی سب سے قیمتی شے اُس کا وقت ہے اور خدا نے نیکی کا تصور اُس پر کھولنا ہی تب ہے کہ جب اُس نے وقت دینا ہے اور وہ پوری زندگی وقت ہی نہ دے سکے تو وہ نیکی کی حقیقت نہیں پا سکے گا۔

اِس جملے پر غور کریں تو تصور واضح ہو جائے گا کہ اللہ کی بارگاہ میں کب کیا شے دینی ہے؟ زندگی کی جس بھی اسٹیج پر ہماری نگاہ میں جس بھی شے کی اہمیت بڑھ جائے جان لیں کہ وہ محبوب شے ہے۔ ہوسکتا ہے نوجوانی میں کسی اور شے کی وقعت زیادہ ہو، جوانی میں کوئی اور شے محبوب ہو، بڑھاپے میں کسی اور کی وقعت ہو۔ الغرض زندگی کی ترجیحات اور مصروفیات کے ساتھ ساتھ محبوب شے کا تصور بھی بدلتا رہے گا اور اسی محبوب شے کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں خرچ کرنے اور قربان کرنے سے ہی نیکی کی حقیقت تک پہنچا جاسکتا ہے۔

پھر جو لوگ نیکی کی حقیقت پا لیتے ہیں، اُن کے بارے میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. (مریم، ۱۹: ۹۶)

’’بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو (خدائے) رحمٰن ان کے لیے (لوگوں کے) دلوں میں محبت پیدا فرما دے گا‘‘۔

اللہ کی بارگاہ میں محبوب شے کو خرچ کرنے کے جواب میں اس کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ یعنی محبوب شے دو گے تو جواب میں اُس کی محبوب شے ہی ملے گی اگر کوئی ہلکی شے دو گے تو جواب میں ہلکی شے ہی ملے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ اِس راہ پر محنت کرتے ہیں، انہیں اللہ رب العزت اپنے حضور سے محبت عطا فرما دیتا ہے۔

اس تمام گفتگو کے تناظر میں اب ذرا نگاہ سیدنا ابراہیمؑ کے واقعہ پر لے جائیں کہ جب اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے محبوب بیٹے سیدنا اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں اور بعد ازاں اُنہوں نے اپنے بیٹے سے بات کی تو سیدنا اسماعیلؑ نے بھی مان لیا اور خوشی سے کہا کہ آپؑ مجھے صابر پائیں گے۔ پھر آپؑ نے جب ذبح کرنے کے لیے حضرت اسماعیلؑ کو لٹایا تو اللہ تعالیٰ نے دل کی کیفیت اور آزمائش پر پورا اترتے دیکھا تو سیدنا اسماعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا اُتار کر اُس کو ذبح کروا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو سیدنا ابراہیمؑ کی یہ ادا اور دل کی کیفیت اِتنی پسند آئی کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے اس عملِ قربانی کو سنت بنا دیا اور نہ صرف سنت بلکہ ہر صاحبِ استطاعت پر واجب کر دیا کہ وہ سنتِ ابراہیمی سمجھتے ہوئے قربانی دے۔

اب آیئے اس تناظر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ایک دفعہ آقا ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ کی گود میں ایک طرف آپ ﷺ کے پیارے شہزادے حضرت ابراہیمؓ ہیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کے دوسرے پیارے شہزادے سیدہ فاطمۃ الزہرا کے لال امام عالی مقام امام حسینؓ ہیں۔ فرشتہ اُترتا ہے اور عرض کرتا ہے: اللہ تعالیٰ آپ سے آپ کی محبوب شے مانگتا ہے؟ یہ دونوں آپ کے جگر کے ٹکڑے ہیں، آپ ان میں سے ایک واپس لوٹا دیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر محبوب شے دینی ہے تو پہلے جو میرے جسم سے براہ راست ہے، پہلے وہ لے جاؤ۔ آقا ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کو پیش کر دیا اور کچھ عرصہ بعد اُن کا وصال ہو جاتا ہے۔

کچھ عرصہ گزرتا ہے، آقا ﷺ کے دل میں امام عالی مقام بہت زیادہ بس جاتے ہیں، آپ ﷺ ان سے بہت پیار فرماتے ہیں اب اللہ رب العزت نے دیکھا کہ اب میرے محبوب کی سب سے محبوب شے ''حُسین'' ہے تو پھر فرشتہ بھیجا اور کہا کہ اب جا اور میرے محبوب سے ''حُسین'' بھی مانگ لے۔

صبر اور رضا کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت ابراہیمؓ اور پھر امام عالی مقام امام حسینؓ سے اپنے محبوب ﷺ کو آزمایا۔ آپ ﷺ تاجدار کائنات ہیں، تقدیریں بدلنے والے ہیں، ٹہنیوں کو تلواروں میں تبدیل کرنے والے ہیں، خدا سے فتح و نصرت مانگ کر دینے والے ہیں، قیامت تک تاجداریاں بانٹنے والے ہیں، اگر آپ چاہتے تو امام عالی مقام کی یہ قربانی اللہ سے منسوخ کروا لیتے لیکن جب اُن کو خبر دی گئی ہے کہ اللہ نے امام عالی مقام کی صورت میں حضور ﷺ کی محبوب شے مانگی ہے تو حضور ﷺ نے وہ عطا فرما دی۔

جس طرح سیدنا اسماعیلؑ کو پتہ تھا اور وہ خوشی سے ہنستے مسکراتے اپنے والد کے ساتھ اُس مقامِ ذبح پر جا رہے ہیں اور کہتے ہیں: اے میرے والد ابراہیمؑ! آپ مجھے صابر پائیں گے، اللہ نے آپ سے جو مانگا ہے وہ دے دیں۔ اسی طرح اب ذرا یکم محرم الحرام سے دس محرم الحرام تک کے اُس سفر کو بھی نگاہ میں لائیں کہ امام عالی مقام بھی بچپن سے جانتے ہیں کہ خدا نے میرے مصطفیٰ ﷺ سے مجھے مانگا ہے۔ وہ بھی مقتل میدانِ کربلا کی جانب اِسی طرح مقامِ رضا پر فائز ہو کر خوشی کے ساتھ، اکیلے نہیں بلکہ پورے خاندان کو لے کر قربان ہونے جا رہے ہیں اور زبانِ حال سے وہ بھی تاجدار کائنات ﷺ کو کہتے ہوں گے کہ اے میرے بابا! خدا نے مجھے آپ سے مانگا ہے، آپ مجھے صابر پائیں گے، مجھے مقامِ رضا پر قائم پائیں گے، مجھے آپ اپنے حکم کے تابع پائیں گے۔

یہ محبوب اشیاء اللہ کے حضور دینے کی روایت بہت پرانی ہے اور درحقیقت وہ انسان سے محبوب چیزیں ہی مانگتا ہے۔ اب اُس کے دو طریقے ہیں:

۱۔ محبوب شے دے کر بندہ غمگین رہے لیکن شکوہ نہ کرے۔ ایسا بندہ صابر ہے۔

۲۔ محبوب شے دے کر بندہ اگر خوش رہے تو ایسا بندہ مقامِ رضا پر قائم ہے۔

یعنی اللہ کی بارگاہ میں محبوب شے دو طرح کے لوگ پیش کرتے ہیں: ایک دے کر صبر کرتا ہے اور دوسرا دے کر جھومتا ہے اور اُس کی روح وجد کرتی ہے کہ مجھ سے آج میرے محبوب نے کچھ مانگا ہے۔ مجھے یہ توفیق نصیب ہوئی ہے کہ میں اپنے محبوب کی راہ میں کچھ دے دوں۔

قربان جائیں کہ حضور ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں امام عالی مقام کی صورت میں اپنی محبوب ترین شے پیش کردی اور پھر امام عالی مقام پر بھی قربان کہ انہوں نے بھی بخوشی اپنا سارا خانوادہ اللہ کے حضور میں پیش کردیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حُسین کا دیا جانا اور امام عالی مقام امام حسین کی طرف سے اپنے آپ سمیت پورا خانوادہ قربان کردینا اللہ کی بارگاہ میں محبوب شے دینے کی انتہا ہے۔

مقامِ محبت

اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ اگر مجھے اپنی محبوب شے دو گے تو میں تمہیں اپنی محبت دوں گا۔ حضور ﷺ کے اس عمل پر اللہ نے جو محبت آقا ﷺ کو عطا فرمائی اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کے لیے جو مقامِ محبت، درجۂ محبت، انوار وتجلیاتِ محبت رکھے تھے،اسی مقام و مرتبہ کی حامل محبوب شے مانگی۔لہذا آقا ﷺ نے بھی بے مثل شے اللہ کے حضور دی اور بے مثل مقام پا لیا۔ حضور ﷺ سے اللہ رب العزت نے امام عالی مقام کو مانگا، آپ ﷺ نے انہیں پیش کردیا اور پھر میدان کربلا میں امام عالی مقام سے اللہ کبھی علی اصغر مانگتا ہے، کبھی علی اکبر مانگتا ہے، کبھی امام حسن کے شہزادے مانگتا ہے، کبھی اہل بیت کے شہزادے مانگتا ہے اور کبھی سیدہ زینب ؓ کے دو شہزادے مانگتا ہے۔ قربان جائیں امام عالی مقام امام حسین ؓ کے مقامِ رضا پر کہ ایک کے بعد ایک کو پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ ماؤں کے لیے سب سے محبوب شے اُن کی اولاد ہوتی ہے، سیدہ زینب ؓ میدان کربلا میں اپنے دو شہزادے عون اور محمد، امام عالی مقام کی خدمت میں پیش کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنی ہر محبوب شے دے دی تو کیا مجھے نیکی کی حقیقت پانے کا حق نہیں ہے۔ مجھے بھی یہ دوشہزادے سب سے زیادہ محبوب ہیں، میں یہ اللہ کے حضور پیش کرتی ہوں۔

دنیا والوں میں سے کسی کی قیمتی شے اُس کا مال ہے، کسی کی قیمتی شے اُس کا وقت ہے، کسی کی قیمتی شے اُس کا حُسن وجمال ہے، کسی کی قیمت شے اُس کا لباس ہے، کسی کی قیمتی شے اُس کا عہدہ اور شہرت اور نام ونمود ہے مگر اہل بیت پاک کی عظیم ہستیاں وہ تھیں جنھوں نے اپنا نام ونمود پہلے بھی دین کو دے رکھا تھا، اپنا سارا وقت بھی دین کو دے رکھا تھا، اپنا سارا مال بھی دین کو دے رکھا تھا، ان کے اپنے پاس تو اِن کا اپنا کچھ بچا ہی نہ تھا، فقط اپنی جانیں تھیں اور بالآخر وہ آخری شے بھی محبوب جانوں کی صورت میں اپنے مولیٰ پر قربان کر دی۔

ہم تو ایک محبوب شے زندگی میں دیتے ہیں، اس پر بھی دل ہل جاتا ہے مگر قربان جائیں اُن مقدس ہستیوں پر کہ اُنہوں نے اپنے لیے کچھ رکھا ہی نہیں، مال و دولت، عزت و آبرو، جان ہر شے محبوب کی راہ میں دے دی۔ جب حضرت امام حسنؓ پانچویں خلیفہ راشد بن گئے اور آقا ﷺ کی ظاہری امامت بھی نصیب ہوگئی مگر جب دیکھا کہ میرے حضور ﷺ کی امت فتنہ کا شکار نہ ہو جائے تو وہ تاجداری بھی دے دی۔ الغرض ہر شے اِس خانوادے نے دین پر لوٹا دی۔ امام حسینؓ کا زمانہ آیا تو دین کی بقاء کا مسئلہ تھا، لہذا انہوں نے دین کی بقاء کے لیے پورا خانوادہ راہِ خدا میں پیش کردیا۔ سب سے قیمتی جانیں تھیں، وہ بھی محبوب کی راہ میں لوٹا کر وہ عظیم المرتبت ہستیاں اللہ کے حضور اِس حال میں پیش ہوئیں کہ اللہ کے حضور عرض کرتے ہوں گے: مولیٰ! تو گواہ ہے کہ ہر شے جو کچھ تونے ہمیں دی تھی، تیری ہی راہ میں لٹا کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوگئے ہیں۔

دوسری طرف اگر ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں تو ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لوگ کبھی اتنا تھوڑا سا بھی نہ کر پائے کہ دل کو ہی کوئی بڑا جھٹکا لگ گیا ہو۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ مولیٰ تو ہمیں اپنی محبت نہیں دیتا۔ سوال یہ ہے کہ وہ اپنی محبت ہمیں کیسے دے؟ اُس نے تو محبت کی قیمت ہی بڑی اونچی رکھی ہے۔ ایسے تو نہیں ہے کہ دل بھی راضی رہے اور مولیٰ بھی راضی رہے۔۔۔ دنیا

بھی راضی رہے اور آخرت بھی نصیب ہو۔۔۔ کوئی ایک بڑی شے دے کر کچھ لینا پڑتا ہے، اُس کے بغیر وہ مولیٰ راضی نہیں ہوتا اور نیکی کی حقیقت نہیں ملتی۔ ہمہ وقت قربانی کے لیے آمادہ رہنا پڑتا ہے، جان دینا بہت بڑی بات ہے، ہم سے تو وقت نہیں دیا جاتا۔ سب سے نالائق بچہ جو کسی دوسری فیلڈ میں نہ چل سکے، اس کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اسے حافظ بناؤ، دین کا علم سکھاؤ، عالمِ دین بناؤ اور جو سب سے لائق بچہ ہوتا ہے اس کے لیے میڈیکل، انجینئرنگ اور آرمی میں جانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں اولاد میں سے بھی سب سے نالائق دیتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تم میری راہ میں کیا دیتے ہو۔ اس طرزِ عمل سے تم نیکی کی حقیقت اور میری راہ میں سچے موتی کو حاصل نہ کر پاؤ گے۔

وہ عظیم لوگ تھے، اُنہوں نے نہ صرف دین کی راہ میں اپنی عظیم اولادیں دیں بلکہ برضا و رغبت جانیں بھی دے دیں اور دوسری طرف ہم دین پڑھانے کے لیے اگر کوئی اولاد بھی دینے لگیں تو نالائق اولاد ڈھونڈتے ہیں۔

اہلِ بیت کے تذکرہ کو ابدیت کیوں؟

یاد رکھیں! محبوب شے نہیں دیں گے تو اُس محبوب کی رضا نہیں ملے گی۔ معرکہ کربلا، محرم کے ایام یہ عظیم المرتبت ہستیوں کی قربانیاں ہمیں ہر لمحہ، ہر سال بس یہی یاد کرواتی رہتی ہیں کہ اُنہوں نے اپنی محبوب اشیاء دے دی تھیں، تم کب دو گے؟ جب اِن عظیم المرتبت ہستیوں اور امام عالی مقام نے وہ محبوب اشیاء اللہ کی راہ میں دیں تو پھر اللہ رب العزت نے انہیں اپنی ایسی محبت عطا فرمائی کہ قیامت تک ہر جگہ اہل بیت پاک کی محبت کے تذکرے ہوتے ہیں او رصرف یہی نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اہل بیت سے محبت و مودّت کرنے کا حکم دے دیا۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى.

’’فرما دیجیے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (میری) قرابت (اور اللہ کی قربت) سے محبت (چاہتا ہوں)‘‘۔ (شوریٰ، ۴۲: ۲۳)

یہ حضور ﷺ کے کسی فرمان یا قول کا تذکرہ نہیں بلکہ اللہ کا حضور ﷺ کو حکم ہے کہ اے حبیب ﷺ! آپ اپنی امت سے کہہ دیں کہ میں تم سے اپنی تبلیغِ دین پر کچھ نہیں مانگتا لیکن اپنی اہل بیت پاک سے محبت مانگتا ہوں۔ درحقیقت محبتِ اہل بیت کا یہ تقاضا اللہ کی طرف سے ہے اور اس تقاضائے محبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ خانوادہ جان، مال اور اولاد سمیت اپنی ہر محبوب شے میری راہ میں لٹانے کے ہر وقت تیار ہے۔

امام شافعیؒ نے اہل بیت پاک کی محبت کے حوالے سے کیا خوبصورت اشعار ارشاد فرمائے:

یا أهل بیت رسول الله حبکم
فرض من الله فی القرآن أنزله
کفاکم من عظیم القدر أنکم
من لم یصل علیکم لا صلاة له

(ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ۱/ 67)

اہل بیت رسول ﷺ! آپ سے محبت کرنا اللہ نے قرآن میں فرض قرار دیا ہے۔ اِس سے زیادہ آپ کی عظمت اور کیا ہوگی کہ اُس شخص کی نماز قبول ہی نہیں ہے جو نماز میں اہل بیت رسول پر درود نہ بھیجے۔

آقا ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: اللہ سے محبت کرو، اِس وجہ سے کہ اُس نے تمہیں بے شمار نعمتوں سے مالا مال فرما دیا اور وہ تم پر شفقت فرماتا ہے اور تم پر بے حساب رحمت فرماتا ہے۔ مجھ سے محبت کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے۔ پھر فرمایا: میری اہل بیت سے محبت اِس لیے کرو تاکہ میں تم سے محبت کروں۔

(ترمذی، السنن، کتاب المناقب، ۵/ 664، رقم/ 3789)

(حاکم، المستدرک، ۳/ 162، رقم 4716)

پس حضور ﷺ کی محبت کے حصول کا ذریعہ محبتِ اہلِ بیت سے اپنے ظاہر و باطن کو منور کرنا ہے۔

میرا حسین تنہا ایک امت ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حسین سبط من الأسباط

(ترمذی، السنن، کتاب المناقب، ۵/ 51، رقم/ 144)

میرا حسین امتوں میں سے ایک امت ہے۔

یعنی میرا حسین میری امت کا صرف امام نہیں ہے، صرف جنت کا شہزادہ اور مالک نہیں ہے، صرف میرا پیار نہیں ہے بلکہ حسین خود ایک پوری امت ہے۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مفہوم ہے؟ آیئے اس کو سمجھتے ہیں:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شاید امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور واقعہ کربلا کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ بہت سے مغربی اسکالرز نے واقعہ کربلا پر ایک بہت خاص بات کی ہے کہ امام حسین یا واقعہ کربلا کا تعلق صرف حیاتِ اسلام سے نہیں ہے۔ اسلام کو حیات شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ سے نصیب ہوئی ہے مگر اس واقعہ کے پسِ منظر میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے واقعہ کو ایک نئے زاویہ سے سمجھنا ضروری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام درحقیقت جد الانبیاء ہیں۔ آپ کی اولاد سے بنی اسرائیل بھی ہے۔ یعنی یہود اور نصاریٰ بھی آپ ﷺ کی اولاد میں سے ہیں۔ گویا چاروں آسمانی کتابیں (توریت، زبور، انجیل، قرآن مجید) چاروں بڑی شریعتیں، جن کو divine religion (الہامی مذاہب) کہا جاتا ہے، یہ تمام آپ کی اولاد میں آنے والے انبیاء کو نصیب ہوئیں۔ اُن تمام شریعتوں کے لانے والے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے انبیاء آئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے۔ اللہ رب العزت نے divine religion کے ذریعے جو اقدار انسانیت میں متعارف کروائی تھیں، سیدنا ابراہیم سے لے کر آقا علیہ السلام تک یعنی پچھلے چار، پانچ ہزار سال میں انسانی قدریں، امن، اللہ کا دھیان، عبادت کا شعور، حلال اور حرام کی تمیز وغیرہ یہ اقدار آقا علیہ السلام کے دور میں اپنے اوجِ کمال تک پہنچی تھیں مگر یزید کے دور میں یہ تمام اقدار خطرے میں آگئی تھیں۔ یزید کے وجود سے پچھلے پانچ ہزار سال سے چلی آنے والی انسانی اقدار و روایات کو خطرہ تھا۔ ان انسانی اقدار کا تحفظ امام حسین نے کیا۔ گویا شہادتِ امام حسین فقط اسلام کے تحفظ کی بات نہیں تھی۔ اِسی وجہ سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو امام عالی مقام کی شہادت سے بدلا گیا، جس کو قرآن نے ذبحِ عظیم کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام مذاہب میں موجود اقدار میں سے ہر قدر اپنے کمال کو پہنچی تو اسلام بن گیا اور اسلام میں وہ اقدار جب اپنے کمال پر پہنچیں تو اُن کا اظہار اور عملدرآمد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں نظر آیا۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد ساٹھ ہجری میں جب بدبخت یزید سلطنت پر بیٹھا تو اُس کے وجود سے اسلام کی عطا کردہ سیاسی، معاشرتی، روحانی، معاشی قوانین، انسانی قدریں، حتی کہ حلال وحرام کا تصور تک ختم ہوگیا۔ یعنی اُس نے پانچ ہزار سال کے مذاہب کی تاریخ کو مسمار کرنے کی کوشش کی۔

یزید کی اس سوچ اور نظریے کا خاتمہ جس ذات نے کیا، اُس ذات کو امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اِس وجہ سے کسی ایسے واقعے پر اللہ نے وحی نہیں کی کہ اِس کو بدل رہا ہوں۔ امام حسین کی شہادت سے پانچ ہزار سال پہلے کے واقعے کو خدا نے کہا تھا اِس کو ایک دن ذبح عظیم سے بدلوں گا۔ ابراہیم! اسماعیل تیرا لاڈلا ہے اور تو میرا لاڈلا ہے، تیرے ساتھ میرا پیار حد میں ہے لیکن اب میرا ایک اور لاڈلا آئے گا، جس کے ساتھ میرا پیار لامحدود ہوگا۔ اُس کا بھی ایک لاڈلا ہوگا، جس کے ساتھ اُس کا پیار لامحدود ہوگا۔ اب یہ اُس سے بدلوں گا۔

درحقیقت امام حسین رضی اللہ عنہ کے وجود اور واقعہ کربلا کے ذریعے نہ صرف اسلام کی تاریخ کا تحفظ ہوا بلکہ پانچ ہزار سال پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے آگے جو کچھ چلا، ہر اعلیٰ قدر اور انسانیت کا تحفظ بھی اللہ رب العزت نے آپ کے ذریعے ممکن بنایا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے امام عالی مقام امام حسینؑ کے اکیلے وجود، آپ کے نظریے، آپ کے مقصد حیات، آپ کے جینے کے انداز، آپ کی جرأت، شجاعت کو ایک مکمل امت قرار دیا کہ غلط اور صحیح کے درمیان فکر کے مینار ’’حسین‘‘ ہیں۔ یعنی امام حسین کی صورت میں موجود امت، ہر امت کے لیے کافی

ہے۔ ہر امت کو یہ امت فائدہ دے۔ یہ امت جس کا نام ''حسین'' ہے، یہ اُن ساری امتوں کے اقدار کا تحفظ کرے گا۔

شہادت سیدنا امام حسین اور شہداء کربلا کا پیغام یہ ہے کہ ہم نیکی کی حقیقت اس وقت تک نہیں پا سکتے، جب تک اپنی محبوب شے کو اللہ کی بارگاہ میں قربانی کے لیے پیش نہ کردیں۔ اسی صورت میں ہمیں اُس کی محبت اور دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام جو سلوک و تصوف کی راہوں کے مسافر ہوتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ ساری زندگی ایک ہی چیز اللہ کی راہ میں دیتے رہیں نہیں بلکہ وہ جب ابتدائی مرحلوں پر ہوتے ہیں تو کبھی مال دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور جب مال کی محبت دل سے نکل جاتی ہے تو پھر وہ اولاد، عزت و آبرو، ناموری و شہرت ہر چیز قربان کرتے آگے بڑھتے رہتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ایک قربت و معرفت اور محبت کا دروازہ ان پر کھلتا چلا جاتا ہے اور جب کائنات کی ہر شے کی محبت ان کے دل سے نکل جاتی ہے تو پھر وہ اپنی جان بھی پیش کر دیتے ہیں۔

آج ہمیں اپنی زندگیوں میں غور کرنا ہوگا کہ کیا شے ہمیں پسند ہے اور ہمارے لیے بہت زیادہ محبوب ہے۔ اگر وقت زیادہ قیمتی ہے تو اُس کی راہ میں وقت خرچ کریں۔۔۔ اگر مال زیادہ قیمتی ہے تو مال خرچ کریں۔۔۔ اگر اولاد سے پیار ہے تو اُس اولاد کو دین کی راہ پر نکالیں۔۔۔ اپنا حسن و جمال اور وضع قطع زیادہ پسند ہے تو نصرتِ دین کی خاطر اس حسن و جمال اور وضع قطع کو قربان کریں اور دین اور انسانیت کی خدمت کے لیے موسم کی نرمی و شدت کا لحاظ کے بغیر مارے مارے پھریں۔۔۔ الغرض جس شے کا زیادہ خیال رہے، اُسی کو اللہ کی راہ میں پیش کردیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فلسفہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، شہدائے کربلا کو ملنے والی عنایات میں سے حصہ عطا فرمائے اور ہمیں اپنی زندگی کو بایں طور سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی اس راہ پر چلیں اور اپنی محبوب اشیاء میں سے خرچ کرسکیں تاکہ اللہ ہمیں بھی اپنے محبوب اور نیک بندوں کی راہ کا مسافر بنائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ❁❁

کارکنان و تنظیمات متوجہ ہوں!

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ کے لئے کوشاں

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن

فی شمارہ: 35 روپے
سالانہ خریداری: 350 روپے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور تحریک منہاج القرآن کے مصطفوی پیغام کو اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات تک پہنچانے کے لئے

سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اخلاقی عظمت

خلق خدا کی حاجات کو پورا کرنا امام عالی مقامؓ کا عام معمول تھا

دروازے پر آئے ہوئے سائل کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں جانے دیتے تھے

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

اہل بیت نبوی ﷺ میں نواسہ رسول سیدنا امام حسین بن علیؓ کی عظیم شخصیات صرف اہل اسلام کے عوام و خواص ہی نہیں، غیر مسلموں کے نزدیک بھی چنداں محتاجِ تعارف نہیں۔ انہیں یہ عظمت و رفعت اور چہار دانگ عالم میں شہرت محض وہبی فضائل و مناقب (مثلاً اہل بیت رسول میں پیدا ہونا، براہ راست حضور اکرم ﷺ کا نواسہ ہونا، نبی رحمت ﷺ کی طرف سے حد درجہ محبت و شفقت کا ملنا، سیدۃ النساء اہل الجنۃ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کا لختِ جگر اور حیدر کرار سیدنا علی المرتضیٰؓ کا نورِ نظر ہونا، شکل و شباہت اور چال ڈھال میں پیغمبر اکرم ﷺ کے مشابہ ہونا، قریش اور سادات میں سے ہونا، مدینہ منورہ میں پیدا ہونا وغیرہ) کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کے کسی کمالات مثلاً اخلاقی پاکیزگی، مکارم اخلاق، خدمت اسلام اور راہِ خدا میں اپنی اور اپنے اہل خانہ کی شہادت اور منفرد ایثار و قربانی وغیرہ کی بدولت ہے۔

تذکرہ نگاروں کے مطابق سیدنا حسین بن علیؓ کی ولادت (شعبان ۴ھ) پر نبی رحمت ﷺ نے اپنا لعاب دہن ملا کر انہیں گھٹی ڈالی اور خود زبان نبوت سے ان کے کان میں اذان (اللہ اکبر، اللہ اکبر) کہی۔ سیدنا امام حسینؓ نے میدان کربلا میں جس طرح اس اذان اور لعاب نبوی ﷺ نوش کرنے اور نواسۂ رسول ﷺ ہونے کی لاج رکھی اور اس موقع پر راہ عزیمت اختیار کرتے ہوئے جس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا، جس انداز میں اسلامی نظام خلافت کے احیاء کی خاطر قربانی دینے اور جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کی مثال قائم کی اور شدید مصائب برداشت کیے، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ میدان کربلا میں آپ کی، آپ کے اہل خانہ کی اور آپ کے جملہ اعوان و انصار کی اسی غیر معمولی ثابت قدمی، جوان مردی، وفا شعاری، شدائد و مصائب اور انتہائی مظلومیت کی شہادت نے مورخین، تذکرہ نگاروں اور سوانح نگاروں کی زیادہ تر توجہ کو آپ کی مظلومانہ شہادت اور کربلا میں پیش آنے والے افسوس ناک بلکہ الم ناک واقعات اور مصائب کی طرف مبذول کیے رکھا۔ اسی پس منظر میں زبان نبوت سے بیان ہونے والی آپؓ کی فضیلت و منقبت، شفقت و محبت نبوی ﷺ اور وہبی کمالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی مگر آپؓ کی زندگی کے اخلاقی امور، معاشرتی پہلو اور دیگر معاملات کو بہت کم اجاگر کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کبار مؤرخین مثلاً صاحب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، صاحب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، صاحب الاصابہ فی تمییز الصحابہ اور ابن کثیر وغیرہ کے ہاں بھی امام حسینؓ کی زندگی کے علمی، اخلاقی و معاشرتی پہلو پر بہت کم مواد ملتا ہے اور آپؓ کی زندگی کا یہ گوشہ تشنہ سا لگتا ہے۔ مشہور مورخ شاہ معین الدین احمد ندوی نے اس کمی کا شکوہ یوں کیا ہے:

''تمام ارباب سیر آپؓ کے کمالاتِ علمی کے معترف ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر، امام نووی، علامہ ابن اثیر اور دیگر ارباب سیّر اس بات پر متفق ہیں کہ امام حسینؓ بڑے فاضل

تھے لیکن افسوس اس اجمالی سند کے علاوہ واقعات کی صورت میں ان کمالات کو کسی سیرت نگار نے قلم بند نہیں کیا‘‘۔ (سیر الصحابہ، معارف اعظم گڑھ طبع دوم 1951ء، 6 / 243)

بالکل یہی حال ان کی اخلاقی عظمت و پاکیزگی اور حسن اخلاق کا ہے۔ سیرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ پہلو جس تفصیل وتشریح کا متقاضی تھا وہ عام تذکروں میں نہیں پائی جاتی جبکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شہادت کے وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً چھپن سال کی ہوچکی تھی۔ چھپن سال کا یہ عرصہ آپ نے خیر القرون میں اسلامی بلکہ انسانی تاریخ کے سب سے بہترین معاشرے میں گزارا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی صاحبِ خلق عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے خود فرمائی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے جس عظیم ماں کی گود میں پرورش پائی اس کی پاک دامنی اور طہارت پر قرآن و حدیث گواہ ہیں، نانا جان علیہ التحیۃ والسلام کے وصال کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت اس باپ نے فرمائی جو علم و عمل کا مجمع البحرین تھے اور جس کے علمی و عملی کمالات اور فضائل و محاسن پر قرآن و حدیث کے علاوہ تاریخ اسلام کی گواہی ثبت ہے۔ حضرت حسین بن علی علیہما السلام کی تعلیم و تربیت کے درج بالا خدائی انتظامات اور خود قرآن و سنت پر عبور حاصل ہونے کے بعد کیسے ممکن تھا کہ آپ ایک عظیم اور اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرتی اخلاق و آداب کی حامل شخصیت کا درجہ نہ پاتے۔ چنانچہ آپ کی اخلاقی عظمت و رفعت کے حوالے سے بعض ایمان افروز چیزیں، شروح حدیث، تذکرہ، تاریخ اور سوانح وغیرہ کی کتابوں میں جستہ جستہ مل جاتی ہیں۔ اس لیے آئندہ سطور میں ہم آپ کے عمومی فضائل و مناقب، ذوق عبادت، علمی فضائل و کمال، سوانح حیات، الم ناک شہادت اور واقعات کربلا (جن پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور لکھا جارہا ہے) کی بجائے آپ رضی اللہ عنہ کی اخلاقی عظمت کی چند ایمان افروز جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کریں گے:

اہل بیت کی ہمہ جہتی پاکیزگی کے لیے دعاءِ نبوی ﷺ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی عملی اور معاشرتی زندگی میں جن مکارم اخلاق یا جس بلند اخلاقی اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا اس میں جہاں ان کی خاندانی شرافت و نجابت، حسب و نسب، پاکیزہ گھریلو ماحول، خانوادہ نبوت کی تعلیم و تربیت، صحبت صحابہ اور مدینہ منورہ کے عمومی پاکیزہ ماحول کا عمل دخل تھا وہاں ان کی اخلاقی پاکیزگی میں خصوصی دعاء نبوی بھی کارفرما تھی۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَبِيبِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ الأحزاب، ٣٣:٣٣ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ فَدَعَا فَاطِمَةَ، وَحَسَنًا، وَحُسَيْنًا، فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ، وَعَلِيٌّ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَجَلَّلَهُ بِكِسَاءٍ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ، هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.

(أخرجه الترمذی فی السنن، كتاب: تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، باب: ومن سورة الأحزاب، ٥ / ٣٥١، الرقم: ٣٢٠٥)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کے پروردہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر حضور نبی اکرم ﷺ پر یہ آیت ’’اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔‘‘ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین سلام اللہ علیہم کو بلایا اور انہیں ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی کملی میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، پس ان سے ہر قسم کی آلودگی دور فرما اور انہیں خوب پاک وصاف کر دے۔۔‘‘

مذکورہ بالا روایت میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اہلِ بیت اطہار سے جس ’’الرجس‘‘ (پلیدی) دور کیے جانے کی بطور خاص دعا فرمائی تو اس لفظ کے معنی پر ایک نظر ڈال لینا بے جانہ ہوگا تاکہ اس کی وسعت کا کچھ اندازہ ہوجائے۔ الفاظ قرآن مجید کے لغوی معانی کے لیے مستند ترین ماخذ ’’المفردات فی غریب

القرآن'' میں علامہ راغب اصفہانی نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

الرجس الشئی القذر... والرجس یکون علی اربعة اوجه اما من حیث الطبع واما من جهة العقل واما من جهة الشرع واما من کل ذالك کالمیتة.

(راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۸۷)

''رجس گندی، پلید، میلی اور قابل نفرت چیز کو کہتے ہیں۔۔۔اب کسی چیز کا گندہ یا پلید ہونا چار وجہ سے ہوسکتا ہے یا تو طبعی اعتبار سے وہ چیز گندی ہوگی یا عقل کی جہت سے یا شرعی اعتبار سے یا اس کا گندا ہونا ان ساری وجوہ کی بنیاد پر ہوگا جیسے مردار کا گند اور قابل نفرت ہونا''۔

جبکہ مشہور شارح حدیث علامہ نووی نے لفظ ''الرجس'' کا معنی یہ بتایا ہے کہ:

الرجس قیل هو الشك وقیل العذاب وقیل الاثم قال الازهری الرجس اسم لکل مستقذر من عمل.

(نووی، شرف الدین یحیٰی، شرح صحیح مسلم مع الصحیح، کتاب و باب مذکور، ۲/۲۸۳)

''رجس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شک ہے اس کا معنی عذاب اور گناہ بھی کیا گیا ہے اور علامہ ازہری کہتے ہیں کہ رجس کا اطلاق ہر گندے اور ناپاک عمل پر ہوتا ہے''۔

اور ملا علی قاری نے ''الرجس'' کا معنی **الاثم وکل ما مستقذر مروه** بتایا ہے۔ (ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ، ۱۱/ ۳۷۰)

یعنی ہر ظاہری و باطنی گناہ اور ہر وہ عمل جو انسانی مروت کے خلاف ہو۔

اس دعائے نبوی کا فیض تھا کہ امام حسینؑ اخلاقی عظمت کے اعتبار سے اسی بلند درجہ پر فائز تھے جو آپ کے شایان شان تھا۔ چنانچہ نامور تذکرہ نگار ابن الاثیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے عمومی اخلاق و عادات اور خصائل کی طرف اجمالی طور پر یوں اشارہ کیا ہے:

وکان الحسین علیہ السلام فاضلا کثیر الصوم والصلوة والحج والصدقة و افعال الخیر جمیعا.

(ابن الاثیر، اسد الغابہ، ۲: ۲۳)

''حضرت امام حسین علیہ السلام بڑی فضیلت کے مالک، کثرت سے روزہ، نماز، حج ادا کرنے والے، صدقہ دینے والے اور تمام افعال خیر سرانجام دینے والے تھے''۔

اب ذیل میں ان کے معاشرتی اخلاق و آداب اور حسن اخلاق کے حوالے سے درج بالا اجمال کی ایمان افروز تفصیل ملاحظہ ہو:

ا۔ بڑے بھائی کا ادب و احترام

اسلامی اخلاق و آداب کی رو سے چھوٹے بھائیوں پر اپنے بڑے بھائی کا ادب و احترام اسی طرح لازم ہے جس طرح والد محترم کا احترام لازم ہوتا ہے۔ چھوٹے بھائیوں کے سامنے بڑے بھائی کا مرتبہ و مقام شرعی نقطہ نظر سے والد کے برابر ہے چنانچہ اس چیز کی وضاحت اور تعلیم امت کی خاطر معلم اخلاق اور صاحب خلق عظیم رسول ﷺ نے حضرت سعید بن العاص سے مروی ایک حدیث میں فرمایا:

حق کبیر الاخوة علی صغیرهم حق الوالد علی ولده.

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب باب البر والصلۃ، ص: ۴۲۱)

تمام بھائیوں میں بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر اُس حق کے برابر ہے جو والد کو اپنی اولاد پر حاصل ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا جان علیہ التحیۃ والسلام کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کس طرح اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کا دل کی گہرائیوں سے احترام کیا، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو:

(ا) بڑے بھائی سے برابری پسند نہ کرنا

بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے سامنے بنفس نفیس موجود ہو تو حیاء کا تقاضا ہوتا ہے کہ چھوٹا بڑے کا احترام کرے جبکہ سامنے موجود نہ ہونے کی صوت میں عموماً اس چیز کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا مگر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بڑے بھائی جان حضرت امام حسن علیہ السلام کے ادب و احترام کو غائبانہ طور پر بھی ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مشہور مورخ ابن قتیبہ نے یہ ایمان افروز اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت حسن بن علی المرتضیٰ علیہما السلام

کے پاس آکر سوال کیا (بھیک مانگی) تو حضرت امام حسنؓ نے اس سے فرمایا: دیکھو بھیک مانگنا جائز نہیں سوائے بہت زیادہ مقروض یا محتاج بنادینے والے فقر یا بہت زیادہ تاوان کی شکل میں، تو اس آدمی نے عرض کیا: میں اسی قسم کا ایک مسئلہ درپیش ہونے کی صورت میں آپ کے پاس آیا ہوں۔

اس پر آپ نے اسے سو دینار دینے کا حکم فرمایا۔ پھر وہ آدمی حضرت امام حسینؓ کے پاس آیا اور آپ سے بھی سوال کیا۔ آپ نے بھی بھیک کے معاملے میں اس سے وہی بات فرمائی جو حضرت امام حسنؓ نے فرمائی تھی۔ اس نے وہی جواب دیا جو وہ حضرت حسنؓ کو دے چکا تھا تو آپ نے پوچھا: انہوں نے تجھے کتنی رقم دی؟ اس نے بتایا سو دینار۔ اس پر آپؓ نے ایک دینار کم کرتے ہوئے (ننانوے) دینار اسے دے دیے اور اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ بڑے بھائی کے ساتھ اس معاملے میں برابری کریں۔ پھر اس آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آکر سوال کیا۔ انہوں نے بغیر کچھ پوچھے اسے سات دینار دے دیے۔ اس پر اُس نے کہا: میں حضرت امام حسن اور حضرت حسینؓ کے پاس گیا تھا اور ان سے پیش آنے والا سارا مذکورہ واقعہ بیان کیا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا:

ویحك وانی تجعلنی مثلهما انهما غراء العلم غرا المال.

(ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ۷/ ۱۲۶)

’’تیرے اوپر تعجب ہے تو مجھے اُن کی مثل کیسے بنا رہا ہے۔ بے شک وہ دونوں بھائی علم اور مال کا دریا ہیں‘‘۔

(۲) داخلۂ جنت کے موجب عمل میں بھی بھائی سے سبقت کی کوشش نہ کرنا

کسی بھلائی کے عمل اور کار خیر میں باہمی مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا شریعت میں ایک پسندیدہ اور مطلوب امر ہے مگر حضرت امام حسینؓ کو اپنے بڑے بھائی امام حسنؓ کے احترام میں یہ بات بھی پسند نہ تھی۔ چنانچہ مشور صحابی حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

لا یحل المسلم ان یهجر اخاه فوق ثلث لیال والسابق السابق الی الجنة.

’’کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین راتوں سے زیادہ اپنے بھائی سے ملاقات اور بات چیت چھوڑے رکھے اور اس معاملے (گفتگو اور ملاقات) میں پہل کرنے والا جنت میں پہلے جانے والا ہوگا)‘‘۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسینؓ دونوں بھائیوں کے درمیان باہمی کوئی جھگڑا اور بات چیت بند ہے تو میں نے حضرت امام حسینؓ سے کہا: لوگ تم دونوں بھائیوں کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں اور تم آپس میں قطع تعلق کرکے بیٹھے ہو لہذا آپ اٹھیے اور اپنے بھائی کے پاس جاکر ان سے بات چیت کیجئے کیونکہ آپ ان سے عمر میں چھوٹے ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ **السابق السابق الی الجنة** (بول چال میں سبقت کرنے والا جنت میں بھی سبقت لینے والا ہوگا) تو میں ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میں ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کے یہ مخلصانہ جذبات سن کر میں حضرت امام حسنؓ کے پاس گیا اور انہیں مذکورہ بات چیت سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا: **صدق اخی** (میرے بھائی نے سچ کہا) اس کے بعد کھڑے ہوگئے اور اپنے بھائی حضرت امام حسینؓ کے پاس آکر ان سے گفتگو کی اور یوں دونوں بھائیوں کے درمیان صلح ہوگئی۔

(محبّ الدین الطبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربی (باب ذکر ماجاء مختصاً بالحسن علیه السلام)

۲۔ خلقِ خدا کی حاجات کو پورا کرنا

کسی بھی قسم کی مذہبی، نسلی، علاقائی اور لسانی تمیز وتفریق کے بغیر تمام خلقِ خدا اور انسانیت کی خدمت، ان کی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے اور ان کے کام آنے کا اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی رو سے کیا مرتبہ ہے؟ اسلام نے اس سلسلے میں

اپنے ماننے والوں کو کتنی تاکید کی ہے؟ پھر اس حوالے سے خود پیغمبر اسلام کی رحمۃ للعالمین اور روف رحیم ذات اور حضرت علی المرتضیٰ ﷺ سمیت دیگر اکابر صحابہ کا طرز عمل کیا تھا؟ (جن کی تفصیل ایک الگ مستقل مضمون کی متقاضی ہے) یہ سب چیزیں حضرت امام حسین ﷺ کے سامنے تھیں۔ علاوہ ازیں فیاضی و سخاوت اور ایثار جیسی خوبیاں آپ کو ورثے میں ملی تھیں۔ اس لیے کمال فیاضی اور ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلقِ خدا کی حاجات کو پورا کرنا حضرت امام حسین ﷺ کا عام معمول تھا۔

چنانچہ حافظ ابن عساکر نے ابو ہشام القناد البصری کی زبانی یہ چشم دید گواہی نقل کی ہے کہ میں (ابو ہشام) حضرت حسین بن علی بن ابی طالب ﷺ کے پاس بصرہ سے سامان (متاع) فروخت کے لیے لایا کرتا تھا۔ آپ اس میں جھگڑ کر مجھ سے قیمت کم کراتے پھر میرے وہاں سے اٹھنے سے پہلے پہلے اس سامان کا زیادہ تر حصہ لوگوں کو عنایت فرمایا کرتے۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ کے بیٹے! میں آپ کے پاس بصرہ سے سامان لاتا ہوں آپ باقاعدہ اصرار کرکے اور جھگڑا کرکے اس میں قیمت کم کراتے ہیں اور پھر میرے اٹھنے سے پہلے پہلے اس کا زیادہ تر حصہ لوگوں میں تقسیم بھی کردیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھے یہ مرفوع حدیث سنائی تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

المخبون لا محمود ولا ماجور (ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ۷/۱۱۵)

”جو آدمی سودے یا لین دین میں دھوکا کھا جائے وہ قابلِ ستائش ہے نہ قابل اجر“۔

اب ذیل میں حضرت امام حسین ﷺ کے اس انتہائی عمدہ وصف اور انتہائی خوبی کی چند ایمان افروز اور سبق آموز جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

(۱) ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے آپ کے دروازے پر پہنچا۔ دستک دی اور اپنی حاجت کا درج ذیل اشعار کی صورت میں یوں اظہار کیا:

لم یخب الیوم من رجاك ومن
حرك من خلف بابك الحلقه
وانت جود وانت معدنة
ابوك ما كان قاتل الفسقه

آج آدمی نامراد واپس نہیں جائے گا جو آپ کے پاس امید لے کر آیا ہے اور جس نے آپ کے دروازے کا حلقہ کھٹکھٹایا ہے آپ سراپا بخشش اور جود و کرم کی کان ہیں۔ آپ کا باپ وہ عظیم شخص تھا جس نے فاسقوں سے جنگ فرمائی تھی۔

حضرت سیدنا امام حسین ﷺ اس وقت نماز میں مصروف تھے دروازے کی دستک اور سائل کی حاجت انہوں نے نماز میں سن لی۔ نماز میں تخفیف کی اور باہر تشریف لائے۔ دیکھا کہ سائل کے چہرہ پر واقعی فقر و فاقہ کے آثار ہیں۔ آپ نے واپس آکر اپنے غلام کو بلایا اور فرمایا کہ ہمارے نفقہ میں سے تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ دو سو درہم ہیں۔ جن کے متعلق آپ کی ہدایت ہے کہ انہیں آپ کے اہل خانہ پر خرچ کردوں۔ آپ نے فرمایا: وہ سب درہم لاؤ کیونکہ ان سے زیادہ حق دار آدمی آگیا ہے۔ پھر ان دراہم کو پکڑ کر باہر نکلے اور انہیں اس اعرابی (سائل) کو دیتے ہوئے فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

خذها فانی الیك معتذر
واعلم بانی علیك ذو شفقه
لو كان فی سیرنا عصاتمه اذا
كانت سمانا علیك مند فقه
لكن ریب المنون ذونكد
والكف منا قلیلة النفقه

(دیکھیے ابن سطور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر بحوالہ حکیم محمود احمد ظفر، سیدنا حسین بن علی، تاریخ کی روشنی میں، تخلیقات لاہور ۲۰۰۶ء)

(۲) خلق خدا کی حاجت براری سے متعلق حضرت امام حسین ﷺ کا ایک اور ایمان افروز اور انتہائی ایثار و ہمدردی پر مبنی واقعہ نامور صوفی حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے رسول خدا عزوجل کے فرزند! میں ایک درویش اور بال بچے دار آدمی ہوں۔ اس لیے آج رات آپ سے کھانے اور مدد کا طلب گار ہوں۔ حضرت امام حسین ﷺ نے اس سے فرمایا:

تم بیٹھ جاؤ، ہمارا وظیفہ (شام سے) آرہا ہے۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد حضرت امیر معاویہ ؓ کی جانب سے پانچ تھیلیاں آپ ؓ کے پاس پہنچ گئیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار (سونے کی اشرفی) موجود تھا۔ لانے والے اہلکاروں نے حضرت امام حسین ؓ سے کہا کہ حضرت امیر معاویہ ؓ آپ سے معذرت کررہے تھے اور فرماتے تھے کہ ان دیناروں کو خرچ فرمایئے بعد میں مزید بھیج دیئے جائیں گے۔ حضرت امام حسین ؓ نے مذکورہ درویش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل خانہ سے فرمایا کہ یہ تمام تھیلیاں اسے دے دی جائیں پھر اس درویش سے معذرت بھی چاہی کہ میں نے تجھے اتنی دیر تک بٹھائے رکھا۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ رقم اتنی تھوڑی ہوگی تو تجھے انتظار نہ کراتے۔ اس لیے ہمیں معذور سمجھو کہ ہم اہل آزمائش میں سے ہیں اور دنیا کی ہر راحت سے باز آگئے ہیں اور اپنی دنیا کی تمام مرادیں ہم نے گم کردی ہیں اور اپنی زندگی دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے وقف کردی ہیں۔

۳۔ حدیث نبوی کے پیش نظر سواری پر مالک کے آگے بیٹھنے سے گریز

حضرت امام حسین ؓ کی خاندانی عظمت و شرافت اور ذاتی فضائل و مناقب کے پیش نظر حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت عثمان غنی ؓ جیسے کبار صحابہ ان کی تعظیم و تکریم فرماتے اور ان کا حد درجہ احترام فرماتے تھے۔ (ابن کثیر البدایہ والنہایہ)

مگر حضرت امام حسین ؓ کا اپنا طرز عمل اور سوچ یہ تھی کہ اس تعظیم میں کہیں اسلامی اخلاق و آداب کے خلاف کوئی کام واقع نہ ہوجائے۔ اس عظیم سوچ اور بلند اخلاق پر مبنی ایک سبق آموز واقعہ ملاحظہ ہو: جیسے مشہور محدث علامہ نور الدین ہیثمی نے امام محمد باقر بن علی بن حسین ؓ کی زبانی یوں نقل کیا ہے کہ

’’ایک مرتبہ حضرت امام حسین ؓ مدینہ منورہ سے باہر مقام حرہ کے قریب واقع اپنی زمین کی طرف جانے کے لیے نکلے تو راستے میں مشہور صحابی حضرت نعمان بن بشیر ؓ نے انہیں پالیا وہ اپنی سواری (خچر) پر سوار تھے۔ حضرت امام حسین ؓ کو پیدل چلتے دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور سواری کو حضرت امام حسین ؓ کے قریب کرتے ہوئے عرض کیا: اے عبداللہ! آپ اس پر سوار ہوجایئے۔ مگر آپ نے سواری پر بیٹھنے کو ناپسند فرمایا۔ حضرت نعمان بن بشیر ؓ کے اصرار کے باوجود جب آپ سوار نہ ہوئے تو انہوں نے قسم اٹھالی کہ آپ کو ہر قیمت پر سوار ہونا ہوگا۔ اب سوار ہونے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا، تاہم فرمایا: تم نے قسم اٹھا کر مجھے تکلیف میں ڈال دیا۔ اب یوں کیجئے کہ آپ سواری کے آگے بیٹھیں میں آپ کے پیچھے بیٹھوں گا۔ کیونکہ میں نے اپنی جان (سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت محمد ﷺ) کو یہ حدیث نقل کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الرجل احق بصدر دابته وصدر فراشه والصلوة فی منزله الا ما یجمع الناس علیه.

’’آدمی اپنے چوپائے (سواری) کے اگلے حصے پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ اسی طرح بستر کے اگلے حصے پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار صاحب فراش ہے جبکہ گھر میں باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں صاحب خانہ امامت کرانے کا زیادہ حق دار ہے‘‘۔

اس پر حضرت نعمان بن بشیر ؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی نے بالکل سچ فرمایا ہے میں نے اپنے باپ بشیر کو بھی اسی طرح کہتے سنا ہے جیسا کہ سیدہ فاطمہ ؓ نے فرمایا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ **الا من اذن** مگر وہ آدمی جس کو مالک اجازت دے۔ یہ سن کر حضرت امام حسین ؓ سواری پر سوار ہوگئے۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (کتاب الادب، باب صاحب الدابۃ احق بصدرہا)

۴۔ گرا ہوا لقمہ کھانے پر غلام کو آزاد فرما دینا

درج بالا قسم کی اخلاقی عظمت کا ایک اور ایمان افروز واقعہ محبّ الدین الطبری نے یوں نقل کیا ہے:

حضرت امام علی بن موسیٰ سے مروی ہے کہ حضرت امام حسین ؓ ایک دفعہ قضائے حاجت کے لیے باہر نکلے، غلام ساتھ تھا۔ راستے میں گرا ہوا کھانے کا ایک لقمہ پایا تو اسے اٹھا کر غلام کو پکڑایا اور فرمایا: واپسی پر مجھے یاد دلانا۔ مگر غلام نے وہ لقمہ کھا لیا۔

قضائے حاجت سے فارغ ہوکر آئے تو غلام سے اس لقمہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے عرض کیا: میرے مولا! میں نے وہ لقمہ کھا لیا ہے۔ فرمایا جا تو اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ پھر فرمایا:

سمعت جدی رسول الله ﷺ يقول من وجد لقمة ملقاة فمسح او غسل ثم اكلها اعتقه الله من النار.

''میں نے اپنے جد امجد رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے سنا ہے کہ جس آدمی نے کوئی گرا پڑا لقمہ پایا پھر اسے صاف کرکے یا دھوکر کھالیا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے آزاد فرمادے گا''۔

تو اس فرمان رسول ﷺ کے مطابق جس آدمی کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے آزاد فرمادے تو میں کیونکر اسے غلام بنا سکتا ہوں۔ (محبّ الدین الطبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی (اذکار تتضمن فضائل واخبار اختص بالحسین علیہ السلام)

۵۔ کمال تواضع وانکساری

اسلامی اخلاق وآداب اور اوصاف میں تواضع وانکساری کو جو اہمیت حاصل ہے نیز اسلامی تعلیمات میں اس کی جتنی تاکید آئی اور اس سلسلے میں خود پیغمبر اسلام علیہ السلام نے جو مثالی نمونہ چھوڑا ہے، یہ سب چیزیں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مخفی نہیں تھیں، اس لیے خاندانی معاشرتی، سماجی اور مذہبی و روحانی اعتبار سے انتہائی بلند مرتبہ و مقام حاصل ہونے کے باوجود آنجناب کے اندر کمال درجے کی تواضع و انکساری پائی جاتی تھی۔ چنانچہ نامور مورخ ومحدث حافظ ابن عساکر نے اس کی ایک سبق آموز مثال یوں درج کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا گزر چند مساکین کے پاس سے ہوا جو (مسجد نبوی کے ساتھ) صفہ میں کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر عرض کیا آیئے کھانا تناول فرمایئے۔ آپ بیٹھ گئے اور فرمایا:

ان الله لا يحب المتكبرين.

''بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا''۔

ان مساکین کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، پھر ان سے فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی، اب تم لوگ میری دعوت قبول کرو۔ سب نے کہا: نعم: ہاں ٹھیک ہے۔

چنانچہ آپ انہیں اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رباب سے فرمایا کہ جو کچھ کھانے کو تمہارے پاس موجود ہے وہ لے آؤ۔ (ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ۷/ ۱۲۹)

۶۔ اپنے ساتھیوں کو آزمائش میں ڈالنے سے گریز

انسانی فطرت ہے کہ انسان مشکل اور آزمائش کے وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں سے مدد اور تعاون کا خواہاں ہوتا ہے۔ مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسے موقعہ پر بھی کسی کو آزمائش اور مشکل میں ڈالنا پسند نہیں فرمایا، اس بلند سوچ کی ایک جھلک ذیل میں ملاحظہ ہو:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عاشوراء کی رات اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا پھر (اس مشکل ترین اور آزمائش کی گھڑی میں بھی) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: میں یہی محسوس کررہا ہوں کہ یہ لوگ (یزیدی فوج) بہرصورت کل تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ اس صورت حال میں تم سب کو (بخوشی) اجازت دیتا ہوں۔ تم سب میری طرف سے آزاد ہو اور اب رات کے اندھیرے نے تمہیں ڈھانپ لیا ہے۔ پس جس آدمی کے پاس ہمت ہو وہ میرے اہل بیت میں سے کسی آدمی کو ساتھ ملا لے اور تم سب رات کے اندھیرے میں یہاں سے نکل جاؤ۔ ان لوگوں (یزیدی فوج) کو تو صرف میری تلاش ہے، کل جب یہ مجھے دیکھیں گے تو تمہاری تلاش بھول جائیں گے اس مخلصانہ پیش کش پر آپ کے اہل بیت نے کہا:

لا ابقانا الله بعدك والله لانفار قك وقال اصحابه كذالك.

''اللہ تعالیٰ آپ کے بعد ہمیں زندہ نہ رکھے۔ قسم بخدا ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جائیں گے اور آپ کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اسی طرح کے جذبات کا اظہار کیا''۔

(الذہبی، سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۰۱)

❁❁❁❁❁

"اسیرانِ انقلاب میرے کارکنان نہیں شہزادگان ہیں"

بے سہارا بچوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت میں آغوش آرفن کیئر ہوم کی خدمات قابل تحسین ہیں

شیخ الاسلام کی کورونا وائرس کی وباء کے دوران اسیران انقلاب۔
آغوش آرفن کیئر ہوم اور کراچی تنظیم سے خصوصی آن لائن گفتگو

خصوصی رپورٹ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کے اسیران جو کہ لاہور ہائیکورٹ کے حکم پر ضمانت پر رہا ہوئے تھے ان کے ساتھ آن لائن ملاقات اور گفتگو کرتے ہوئے کارکنان کے عزم و حوصلے ،استقامت اور جرأت پر زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ مشن کے لیے قید و بند کی سختیاں جھیلنے والے یہ کارکنان آج کے بعد میرے شہزادگان ہیں، مجھے اور پوری تحریک کو ان شہزادوں پر فخر ہے جنہوں نے بے پناہ تکلیفیں برداشت کیں مگر اپنے لبوں پر حرفِ شکایت تک نہیں لائے، شیخ الاسلام نے جذباتی انداز میں کہا کہ ایسے شہزادے اس سے پہلے کسی ماں نے نہیں جنے ہوں گے۔ آن لائن اجلاس کے موقع پر چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن خرم نواز گنڈاپور ،علامہ رانا محمد ادریس سمیت سینئر عہدیداروں، رہنماؤں نے آن لائن اجلاس میں شرکت کی اور اسیران کو خراج تحسین پیش کیا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے خصوصی گفتگو فرماتے ہوئے کہا کہ فوری انصاف کے حصول کے لیے ہماری طرف سے کوئی تاخیر نہیں تھی، ہمارے ہاتھ میں قانونی جنگ لڑنا ہے جبکہ انصاف کرنا کسی اور کے ہاتھ میں ہے، انہوں نے کہا کہ چہرے ضرور بدلے ہیں مگر ہمارا دشمن نہیں بدلا، اسی لیے ہماری تکلیفوں، مشکلات اور پریشانیوں میں ابھی تک کوئی کمی نہیں آئی، شیخ الاسلام نے کہا کہ موجودہ نظام چنگیز خان اور ہلاکو خان کے جیسا نظام ہے، یہ نظام عوام اور ریاستِ پاکستان کا سب سے بڑا دشمن ہے، یہ عوام کے حقوق اور ریاست کے استحکام کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے، اس نظام میں انصاف ناپید اور بے گناہوں کیلئے قید و بند اور اذیتیں ہیں، اشرافیہ آئین، قانون اور عوام کے حقوق کو قتل کررہی ہے، منہاج القرآن کے کارکنان صبر، استقامت اور پختہ کردار کے ہمالیہ ہیں، ایسے بے مثال کارکنان کسی جماعت میں نہیں ہیں، میرے کارکن میرے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ہیں، انہوں نے میری روح کو سرشار کر دیا ہے، جیل کی سلاخیں اور دیواریں بھی میرے کارکنوں کے حوصلوں، استقامت اور وفاداری پر رشک کرتی ہیں، میں اپنے ہر کارکن کے ماتھے کا بوسا لیتا ہوں، انہوں نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے، ایسے عظیم کارکنان کسی اور ماں نے جنے ہی نہیں، میں انہیں حسینی اسیران کہتا ہوں جن کے کردار و عمل نے نئی تاریخ رقم کی ہے۔

شیخ الاسلام نے آن لائن اجلاس میں شریک بھکر، دریا خان، کلورکوٹ، خوشاب، نوشہرہ، قائد آباد، نور پورتھل اور شیخوپورہ میں رہائی پانے والے 109اسیران سے براہ راست خطاب کیا، ڈاکٹر طاہرالقادری نے کہا کہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے والے کارکنان میری جان کا حصہ ہیں، میں روزانہ ان کیلئے تین دفعہ دعا کرتا تھا، 2014ء کے بعد ہونے والے ظلم کا ذمہ دار یہ قاتل نظام ہے ،2018ء کے بعد چہرے بدلے ہیں نظام وہی ہے،

اسی نظام کی بھینٹ میرے بے گناہ اور معصوم کارکنان چڑھے، ان عظیم کارکنان نے اسیری کو جرأت او راستقامت سے کاٹا، اسیران کے ماں، باپ، بیوی، بچے اور فیملی کے دیگر افراد نے بھی عظیم قربانی دی ہے، وہ بھی صد بار مبارکباد کے مستحق ہیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کہا کہ مصائب و مشکلات حق کے راستے کا جزو لاینفک ہیں، جو اللہ کو پسند آجائے یہ ہونہیں سکتا کہ مصائب اس کا راستہ نہ روکیں مگر میرے قابل فخر بیٹوں نے اس مرحلے کو حوصلہ اور جوانمردی سے گزارا، اللہ ایسے کارکنان کو دنیا اور آخرت میں بلند درجات عطاء فرمائے، اسیری کی آزمائشوں نے کارکنان کو کندن بنا دیا ہے، یہ ہمیشہ میری آنکھوں کا چین بن کر رہیں گے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کہا کہ حسینی مشن پر چلنے والے کبھی نہیں تھکتے اور اپنی منزل کو پالیتے ہیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقاری نے اس موقع مخدوم مجید حسین قریشی ایڈووکیٹ کی سربراہی میں محرم علی بالی ایڈووکیٹ، نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ، شکیل ممکا ایڈووکیٹ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو دن رات ایک کرنے پر مبارکباد دی ، انہوں نے کہا کہ ان وکلاء کی کاوشوں سے تحریک کا ہر کارکن خوشی کے عظیم جذبے سے سرشار ہے، میں امید کرتا ہوں کہ لیگل ٹیم سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کے حوالے سے مستقبل قریب میں مزید کامیابیاں حاصل کرے گی اور انشاء اللہ تحریک منہاج القرآن قانونی جنگ کے سارے مرحلے جیت کر سرخرو ہو گی۔انہوں نے فرداً فرداً اسیران کا نام لے کر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس موقع پر ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور کی طرف سے اسیران کی رہائی اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کے حوالے سے شاندار کردار ادا کرنے پر انہیں زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا، انہوں نے سوشل میڈیا کے تمام شعبہ جات MIB، منہاج ٹی وی، پروڈکشن، سوشل میڈیا ڈیپارٹمنٹ، مرکزی میڈیا سیل اور سوشل میڈیا ورکنگ کونسل کے جملہ ممبران کو بھی مظلوموں کا کیس سوشل میڈیا پر اجاگر کرنے پر مبارکباد دی۔

❁❁❁❁❁

بے سہارا بچوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت میں آغوش آرفن کیئر ہوم کی خدمات

حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے 8جولائی 2020ء کو آغوش آرفن کیئر ہوم کی ایڈمنسٹریشن اور سینئر مینجمنٹ سے آن لائن خطاب کیا، اس موقع پر حضور شیخ الاسلام کو آغوش آرفن کیئر ہوم اور تحفیظ القرآن کی کارکردگی رپورٹ بھی پیش کی گئی، اس موقع پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری چیئرمین آغوش کمپلیکس، ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد مینجنگ ڈائریکٹر آغوش کمپلیکس، عمران ظفر بٹ پرنسپل آغوش گرائمر سکول اینڈ ایم سی ایم ٹی، محمد عباس نقشبندی پرنسپل تحفیظ القرآن ، میڈیم رومانہ مبشر وائس پرنسپل آغوش گرائمر سکول و ایم سی ایم ٹی، مسٹر طاہر محمود اکاؤنٹنٹ آغوش کمپلیکس، کیپٹن(ر) محمد رمضان ایڈمن مینجر نے شرکت کی۔ مینجنگ ڈائریکٹر آغوش کمپلیکس نے خصوصی وقت عنایت کرنے پر حضور شیخ الاسلام کا شکریہ ادا کیا، کرنل(ر) مبشر اقبال ڈائریکٹر آغوش کمپلیکس نے تفصیلی کارکردگی رپورٹ پیش کی، انہوں نے بتایا کہ 6سو بچے آغوش آرفن کیئر ہوم میں مختلف کیٹگریز میں زیر تعلیم ہیں، تحفیظ القرآن کے حوالے سے محترم عباس نقشبندی صاحب نے جملہ شعبہ جات کے بارے میں تفصیلی رپورٹ پیش کی، کرنل(ر) مبشر اقبال صاحب نے آرفن کیئر ہوم کے حوالے سے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ آرفن بچوں کے پہلے گروپ نے 2005ء میں جوائن کیا اور ان بچوں کی اکثریت گریجوایشن اور ماسٹر تک اپنی تعلیم مکمل کر چکی ہے اور وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے منہاج یونیورسٹی لاہور میں زیر تعلیم ہیں،انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے لئے ایک اعزاز کی بات ہے کہ آغوش آرفن کیئر ہوم میں زیر تعلیم بچے مختلف شعبہ جات میں پروفیشنلز کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کامیابی اور کامرانی کا کریڈیٹ پراجیکٹ کے بانی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو جاتا ہے کہ جن کی انسانیت کی فلاح و بہبود پر مبنی سوچ اور ویژن کے باعث منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے مثالی

ادارے اور پراجیکٹس روبہ عمل ہیں، آغوش آرفن کیئر ہوم اور تحفیظ القرآن کی حوصلہ افزاء کارکردگی رپورٹ پر حضور شیخ الاسلام نے جملہ ذمہ داران اور سٹاف ممبران کو مبارکباد دی، ڈائریکٹر آغوش کمپلیکس نے مزید بتایا کہ 2015ء میں آغوش اکیڈمی بھی تشکیل دی گئی ہے اور اس کے بہت حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوئے ہیں، اس موقع پر ڈائریکٹر آغوش کمپلیکس نے بتایا کہ یہاں کے طالب علموں نے مثالی تعلیمی کارکردگی کا مظاہرہ کیا جن میں فواد اکبر، مبشر اقبال سعیدی، اعظم مصطفی، محمد عمیر، سردار حمید بطور خاص شامل ہیں، انہوں نے بتایا بچوں کی ذہنی، روحانی اور جسمانی تربیت کا ایک فعال اور مضبوط میکانزم وضع کیا گیا ہے تاکہ یہاں کے طالب علم عملی زندگی میں بہترین صلاحیتوں کے ساتھ اپنا کردار ادا کرسکیں، اس موقع پر میڈیم رومانہ مبشر وائس پرنسپل آغوش گرائمر سکول اینڈ ایم سی ایم ٹی نے بھی تفصیلی رپورٹ پیش کی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے بہترین کارکردگی پر سب کو شاباش دی۔اس موقع پر حضور شیخ الاسلام نے تحفیظ القرآن ایڈمنسٹریشن کو نصیحت کی کہ طلبہ کی عربیک لینگویج اور تلفظ کو مزید Improve کیا جائے اور تحفیظ القرآن کے حوالے سے موثر تشہیر کی نصیحت بھی کی اور کہا کہ آغوش کمپلیکس کی کامیابیوں کو سوشل میڈیا پر بطور خاص نمایاں کیا جائے۔شیخ الاسلام نے کہا کہ آغوش آرفن کیئر ہوم اور تحفیظ القرآن ایک عظیم دینی، سماجی خدمت انجام دے رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ مخیّر حضرات اور بزنس کمیونٹی کے حضرات کو دورہ جات کروائے جائیں۔

❁❁❁❁❁

کراچی تنظیم سے خصوصی آن لائن گفتگو

مرزا جنید علی ناظم تحریک منہاج القرآن کراچی

شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے کراچی تنظیم کے ساتھ آن لائن خصوصی ملاقات کے موقع پر کراچی تنظیم کی شاندار کارکردگی اور فلاحی عوامی منصوبہ جات کے اجراء اور ان کو احسن انداز سے چلانے پر مبارکباد دی، اس ملاقات کے دوران شیخ الاسلام کو کراچی تنظیم کی طرف سے مرزا جنید نے پانچ سالہ کارکردگی رپورٹ بھی پیش کی گئی، انہیں بتایا گیا کہ سینکڑوں تاحیات رفیق بنائے گئے، حلقاتِ ذکر وفکر، ماہانہ دروس قرآن و مذہبی محافل کا باقاعدگی سے انعقاد کے ساتھ ساتھ فروغ امن کے لئے تربیتی کیمپس، امن مارچ، سائیکل ریلی، تحریک کے مراحل خمسہ کے تحت تنظیمی، تربیتی ورکشاپس، ڈپلومہ ان قرآن سٹڈیز، ماہانہ شب بیداری، حلقات التربیۃ کے حوالے سے اعداد وشمار کے بارے میں آگاہ کیا۔

شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو آغوش کراچی کے منصوبہ کے بارے میں بھی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا، کراچی تنظیم نے فوڈ اینڈ ایجوکیشنل سپورٹ پروگرام، آئندہ کے ویلفیئر پراجیکٹس کے بارے میں بھی تفصیلات سے آگاہ کیا، کراچی تنظیم کی طرف سے بتایا گیا کہ کورونا لاک ڈاؤن کے دوران 66لاکھ روپے کی مالیت سے 3283 مستحق گھرانوں میں راشن تقسیم کیا گیا۔

اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل بھی موجود تھے، چیئرمین سپریم کونسل نے کراچی تنظیم کے پرعزم ذمہ داران کی خدمتِ دین اور جذبہ خلق کے حوالے سے تاریخی کلمات ادا کیے اور اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔کراچی تنظیم کے ذمہ داران نے تنظیمی امور میں بہتری لانے اور ہمہ وقت رہنمائی مہیا کرنے پر چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن خرم نواز گنڈاپور کا بطور خاص شکریہ ادا کیا۔

شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے کراچی تنظیم کی مثالی کارکردگی پر انہیں مبارکباد دی، بالخصوص سالانہ میلاد کانفرنس کے کامیاب انعقاد، قرآنی انسائیکلوپیڈیا کے مثالی سیمینارز، اعتکاف 2019ء کے حوالے سے بہترین خدمات انجام دینے پر ان کے جذبہ خدمت کو سراہا، شیخ الاسلام نے منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے مرکزی دفتر کے کراچی میں قیام اور مختلف پراجیکٹس کی تعمیر پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا، شیخ الاسلام نے ویژن 2025ء کے حوالے سے مثالی جدوجہد کرنے پر بھی تنظیم کو مبارکباد دی۔

آن لائن اجلاس میں محترم قاضی زاہد حسین صاحب مرکزی صدر پاکستان عوامی تحریک، محترم نعیم انصاری صاحب،

پوری زونل باڈیز، تمام فورمز کے صدور، تمام ٹاؤنز اور یونین کونسلز کے ذمہ داران نے شرکت کی۔

شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے نظامت رفاقت میں مثالی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے پر محترم ریاض ملک، راؤ اشتیاق شاد، سید یونس مدنی، شبیر حسین، کرامت علی، جاوید اعظم، محمد نواز، صابر انصاری، حافظ یاسین، طاہر قادری، طیب محمد عثمان کو مبارکباد دی، نظامت دعوت میں فعال کردار ادا کرنے پر اور مثالی کانفرنسز کے انعقاد پر نعیم انصاری ،سید کاظم علی شاہ سبزواری، مفتی مکرم خان، قیصر اقبال، مکرم مقصود، سید طاہر شاہ، ایاز محمود الحسن، زاہد خان، شیراز احمد، اسلم اشرفی، علامہ مہتاب اظہر، فاروق شیخ کو مبارکباد دی۔نظامت ویلفیئر میں خدمات انجام دینے پر حاجی اقبال واد ھریا،لطافت محمود قادری، محمود میمن، قاضی زاہد حسین، مسعود احمد عثمانی، زاہد لطیف، زاہد راجپوت، محمد طیب نواز، جنید باوانی، ملک سلیم اعوان کو مبارکباد دی۔ لاک ڈاؤن کے دوران فوڈ سپورٹ پروگرام کے تحت مثالی خدمات انجام دینے پر مفتی مکرم خان قادری ،عتیق چشتی، ریاض ملک، شاہد علی راجپوت اور ان کی پوری ٹیم کو مبارکباد دی۔ مثالی مالیاتی نظم کو یقینی بنانے پر عتیق چشتی، سلیم شوکت، محترم صغیر احمد کو مبارکباد دی۔مختلف ایونٹس کے موقع پر بہترین انتظامی کردار ادا کرنے پر سید ظفر اقبال، فاروق شیخ، راؤ طیب، رانا اسلم، عبدل لالہ شاہ غازی، طاہر محسود، بشیر خان مروت، الیاس مغل، اشتیاق شاہ، صارم نور، شاہ نور، آصف خان، احمد رضا، حسن رضا، وانیا اعظم باجی کو مبارکباد دی۔ کراچی تنظیم کی درخواست پر شیخ الاسلام نے مختلف عہدیداروں کی شفاء یابی اور مرحومین کے درجات کی بلندی کیلئے دعا کی، حضور شیخ الاسلام نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے اسیر محمد سلطان کے علاج معالجہ اور ان کی نگہداشت کے لئے بہترین خدمات انجام دینے پر قاضی زاہد حسین، سید ظفر اقبال، مفتی مکرم خان، صاحبزادہ ثاقب نوشاہی، بشیر خان مروت، سید کاظم علی شاہ سبزواری کو مبارکباد دی۔

❀❀❀❀❀

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ میں خدمات سرانجام دینے والے احباب کے اعزہ و اقارب وفات پاگئے ہیں۔محترم انجینئر محمد رفیق نجم (نائب ناظم اعلیٰ) کی والدہ محترمہ، محترم عظمت علی قادری (پبلیکیشنز) کے والد محترم، محترم سیف اللہ بھٹی (کنٹرولر امتحانات MEB) کی والدہ محترمہ، محترم نجم حامد (مرکزی ویمن لیگ) کی والدہ محترمہ، محترم امتیاز حسین اعوان (PSo ٹو چیئرمین سپریم کونسل) کے ماموں جان قضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران اور کارکنان تحریک نے مرحومین کے انتقال پر گہرے غم و رنج کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت و بلندی درجات کی خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ محترم چوہدری ظہیر عباس گجر (فرانس) کے والد محترم، محترم الحاج مرزا عبدالوحید (صدرTMQ یونین کونسل مغل این اے 52 اسلام آباد) کی والدہ، محترم تصور حسین غفاری کے چچا محترم حاجی فیض احمد، محترم ڈاکٹر جاوید اقبال کی والدہ، محترم مولانا عبدالرشید کریمی کے والد محترم محمد عنایت، محترم خادم حسین سیٹھی (ملائیشیا) کا بیٹا اور محترم محمد انعام (پریس سیکرٹری PAT) کا بھانجا، محترم محمد سلیم چوہان کی والدہ اور محترم محمد یوسف حضوری کی سمدھن، محترم ماسٹر شفقت اللہ شفیق کی خوشدامن، محترم خالد حسین قادری کی سالی، محترم علامہ محمد اشرف سیال کی اہلیہ، محترم قاری قربان علی تسکین نقشبندی کا بھتیجا، محترم نثار الحسن عامر کی خوشدامن اور محترم عرفان رضا قادری (کالیکے) کے والد قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت و بخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اسیرانِ انقلاب
تصویرِ اسلاف

ایک تاریخ، ایک حقیقت

ہر دور میں اسلام اور اہل اسلام نے قربانیوں کی تاریخ رقم کی

اسیران انقلاب نے مظلوموں کی آواز بننے کے ''جرم'' میں جیل کی سختیاں جھیلیں

احمد وحید قادری۔ مرکزی نظامتِ تربیت

خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

دینِ اسلام کو ابتداء سے ہی اَن گنت قربانیوں کا سامنا رہا، کہیں شعبِ ابی طالب کی قیدیں تو کہیں وادی طائف کے ظلم وستم، کبھی پاگل و مجنوں ہونے کے طعنے ملتے تو کبھی جان سے مار دیے جانے کی دھمکیاں۔۔۔ظلم وستم کی یہ داستان جاری رہی یہاں تک کہ مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مکہ جیسا محبوب شہر بشکلِ ہجرت چھوڑنا پڑا۔اسی طرح تبلیغِ اسلام میں کہیں میدانِ بدر ہے تو کہیں خندق کی آمائش جس سے یہ بات باآسانی سمجھ آتی ہے کہ اسلام حقیقتاً بے شمار قربانیوں کا ثمر ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں دینِ اسلام نے قربانیاں مانگی اور ایمانی جذبہ سے سرشار مؤمنین نے قربانیاں دیں۔ کتابِ تاریخ کا ہر ورق قربانیوں سے لبریز ہے۔حضرت بلال بن رباح، حضرت خبیب بن الارت، حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہم، مشرکینِ قریش اِن کو عرب کی جلا دینے ولی گرمی میں گھر سے باہر لے جاتے تھے اور ان کے سینوں پر بڑے بڑے پتھر رکھتے تھے اور کبھی کبار تو ظلم کی انتہاء کرتے ہوئے ان کو لوہے کی زرہ پہناتے اور زنجیر سے صحراء کی گرم ریت پر گھسیٹتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر محمد ﷺ کی محبت دل سے نکالو گے تو ان عذابوں سے چھٹکارا حاصل کروگے۔مگر ان صاحبانِ ایمانِ حقیقی کے پختہ ایمان کا یہ عالم تھا کہ وہ ان اذیتوں کو برداشت کرتے تھے مگر ان کے ایمان میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔

خلفائے راشدین کے ادوار کو دیکھیں تو بھی قربانیوں کا ایک تسلسل نظر آتا ہے۔ واقعہ کرب و بلا قربانیوں کی ایک عظیم داستان ہے۔ائمہ اربعہ کی حیات بھی قربانیوں سے بھری ہے، دیگر مفسرین، محدثین، متکلمین و ائمہ تصوف اسلام، عالمِ اسلام اور عالمِ انسانیت کیلئے اپنے دائرہ کار کے مطابق قربانیاں دیتے رہے الغرض ہر دور میں اسلام اور اہلِ اسلام نے قربانیوں کی تاریخ رقم کردی۔

معزز قارئین! عصرِ حاضر میں اسیرانِ انقلاب کا وجود بھی قربانیوں کی ایک ایسی بے مثال داستان جو اسلاف کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ 6 سال سے شہدائے ماڈل ٹاؤن و اسیرانِ انقلاب کو انصاف نہیں ملا، اسیرانِ انقلاب حصولِ انصاف کے لیے عدالتوں کے چکرکاٹ رہے ہیں مگر کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے۔ 17 جون 2014ء کے دن بدمست پولیس اہلکاروں نے بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور خواتین کو انتہائی سفاکی سے تشدد کا نشانہ بنایا، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے درندہ صفت محافظوں اور حکمرانوں نے 17 جون 2014ء کے دن ایک بکاؤ، کرایہ کی فورس کا کردار ادا کیا اور جرائم پیشہ برسراقتدار عناصر کے گھریلو محافظوں کی طرح ظلم کیا۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن میں خون بہانے والوں اور انسانیت پر حملہ کرنے والوں میں سے کسی کو 6 سال گزر جانے کے بعد بھی سزا نہیں ملی۔

مگر افسوس! جن افراد نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور ظلم کے خلاف مردِ حق بن کر اشرافیہ اور حکمرانوں کی غنڈہ گردی کے خلاف صدائے حق بلند کی، ان پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نام نہاد پنجاب پولیس

نے دہشتگردی و قتل کے جھوٹے مقدمات درج کیے۔ ان جھوٹے مقدمات کی پیروی میں 5 سال کے طویل عرصے سے کم وبیش روزانہ کی بنیاد پر مختلف اضلاع سے تعلق رکھنے والے اسیرانِ انقلاب موسم کی شدت سے بے نیاز اپنے اہل و عیال و اپنے کارو بارِ زندگی کو معطل کر کے انسداد دہشت گردی کی عدالت میں پیش ہوتے رہے۔ 5 سال مسلسل سیکڑوں پیشیوں میں حاضری کے بعد 18 اپریل 2019ء کو اس ظالمانہ نظامِ عدل نے انہیں مزید 5 سال اور 7 سال کی قید با مشقت سزا سنا دی۔ سلام ہے ان جرأت وعظمت کے حامل کارکنوں کو جن کے صبر و استقلال کو یہ نظامِ جبر شکست نہ دے سکا۔ کم و بیش 15ماہ کی قید با مشقت کے بعد انہیں ضمانت ملی اور وہ رہا ہوئے مگر یہ قید بامشقت بھی ان کے پائے استقلال میں لرزش پیدا نہ کرسکی ۔اس قید با مشقت کے دوران میں کسی کے عزیز فوت ہوئے کسی کو علاج کے لئے ہاسپٹل میں لایا گیا تو پوری قوم نے دیکھا کہ وہ زنجیریں پہنا کر لائے گئے ۔ان کا جرأت مندانہ کردار پیغام دے رہا تھا کہ

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

دوسری طرف اسیرانِ انقلاب کے ورثاء کا جذبہ ایثار بھی دیدنی تھا ۔چشمِ فلک نے کئی بار یہ نظارہ دیکھا کہ کبھی بوڑھی ماں کے آنسوں نے اور کبھی لاغر و بیمار باپ کی بے بسی دیکھ کر بہت سوں نے نظامِ صبر سے صلح کر لی ۔کبھی رشتہ داروں کے طعنے اور دامادوں کی دھمکیاں، کبھی بہنوں کے غمزدہ چہرے اور کبھی گھر والوں کے فاقے بڑے بڑے حوصلہ رکھنے والوں کو توڑ دیتے ہیں اور وہ درمیانی راہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر آفرین ہے اسیرانِ انقلاب کے خاندانوں پر، جب ان سے ملیں تو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ لواحقین کا عزم، استقامت اور جذبہ دیکھ کر انسان حیران وششدر ہوکر رہ جاتا ہے اور اپنے جذبات پر قابو رکھنا بس میں نہیں رہتا۔ اللہ پاک کا شکر ہے کہ جس طرح قائد انقلاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ایک جرأت مند اور باحوصلہ شخصیت ہیں اسی طرح ان کے کارکنان بھی پرعزم، پرجوش، حوصلہ اورصبرو ضبط والے ہیں۔ بھکر کے بہت سے خاندان ایسے بھی ہیں کہ جن کے گھر کا واحد کفیل قید کر دیا گیا مگر ان کے لبوں پرکوئی حرف شکایت نہیں ہے، لیکن ان کے دل مطمئن ہیں کہ ان کے بیٹے کسی جرم پر جیل نہیں گئے بلکہ وہ مظلوموں کی آواز بنے اور انہیں انصاف دلوانے کی جدوجہد کرتے ہوئے پابندِ سلاسل ہوئے، اللہ ہمارے ساتھ ہے ہم اکیلے نہیں ہیں، اسیران کی فیملیز کی زبانوں پر ایک ہی جملہ ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں، ہمیں کوئی ندامت نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے تربیت یافتہ یہ اسیران جیلوں میں بھی اسلام، امن، محبت اور رواداری کی خوشبو اور روشنی پھیلاتے رہے، وہ وہاں پر نمازیں پڑھاتے، درود و سلام پڑھتے، عبادت میں مصروف رہتے اور لوگوں کو دینی علوم اور کردار سے آشنا کرتے رہے۔ وہ اسیران اپنے قائد کے احکامات جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی بجا لاتے رہے۔ بالیقین اللہ نے اس عارضی تکلیف کے ساتھ بھی ان کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی ہوں گی۔

انسداد دہشتگردی عدالت سرگودھا نے جب 107 کارکنان کو سزائیں سنائیں تو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس خبر پر سنگین دکھ کا اظہارکرتے ہوئے کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بے گناہ اور مظلوم کارکنان کو انصاف ملے گا اور انہیں انصاف اور رہائی دلوانے کی جدوجہد کرتے رہیں گے۔ اسیران ظلم کے خلاف سراپا احتجاج تھے اور مظلوموں کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان شاء اللہ ان کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا اور بہت جلد وہ رہا ہوں گے۔

شیخ الاسلام کی انہی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج اللہ کا شکر ہے کہ تحریک منہاج القرآن کی جملہ اعلیٰ سطح اور خصوصاً ضلع بھکر کی قیادت اورعوامی تحریک کے جملہ وکلاء کی جہدِ مسلسل سے تحریک منہاج القرآن کے تمام اسیرانِ انقلاب کی لاہور ہائیکوٹ سے ضمانتوں پر رہائی کے احکامات صادر ہوئے ہیں۔ وہ منظر بھی دیدنی تھا کہ جب 15 ماہ کی قید کے بعد اسیرانِ انقلاب رہا ہوئے تو کسی ایک کے چہرے پر مایوسی اور پریشانی نہ تھی بلکہ ہر ایک کی زبان پر یہ نعرہ تھا کہ یہ تو چند ماہ کی قید تھی، ملک میں امن وسلامتی اور انصاف کی بالا دستی کیلئے ہماری جان بھی حاضر ہے۔ اللہ کریم کا بے حد وحساب شکر ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، ڈاکٹر حسن محی الدین قادری
ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے اصلاح و احوال کے موضوع پر
خطابات سننے کے لئے درج ذیل پیجز/چینلز کو وزٹ کریں

- Facebook: TahirulQadri
- Twitter: TahirulQadri
- Instagram: DrTahirulQadri
- YouTube: DrQadri

- Facebook: DrHassanQadri
- Twitter: DrHassanQadri
- Instagram: DrHassanQadri
- YouTube: DrHassanQadri

- Facebook: DrHussainQadri
- Twitter: DrHussainQadri
- Instagram: DrHussainQadri
- YouTube: DrHussainQadri

MINHAJ

- Facebook: Official.Minhaj.TV
- Twitter: MinhajTvMQI
- Instagram: Official.Minhaj.TV
- YouTube: OfficialMinhajTV